مُخدّرات

مشاہیر عالم

حصہ دوم

جس میں چند نامور ممتاز خاتونانِ ارض کے مفصل و صحیح حالاتِ
زندگی درج ہیں جنہیں کچھ اسلام سے پیشتر کی خاتونیں ہیں اور کچھ
اسلام کے بعد کی

مؤلفہ

جناب مولانا مولوی محمد عبد الحلیم صاحب شرر لکھنوی اڈیٹر گداز

حسب ارشاد حضرت مؤلف خاکسار سید ظہیر الحسن مالک ہلالی پریس
دہلی کٹرہ نظام الملک نزد جامع مسجد نے بماہ نومبر ۱۹۱۵ء
ہلالی پریس دہلی میں طبع کرا کے شائع کیا

قیمت فی جلد ۱۲ر

جملہ حقوق محفوظ ہیں

تعداد ۵۰۰

فہرست مضامین

مخدّرات مشاہیر عالم جلد دوم



بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مخدرات جلد دوم

ہم دنیا کی بہت سی نامور عورتوں کے حالات لکھ چکے ہیں۔ اور ابھی صدہا ایسی عورتیں باقی ہیں جن کے واقعات آئندہ بیان کیے جائیں گے۔ لیکن اس دلچسپ سبجکٹ پر ایک عام بحث کی بھی ضرورت ہے۔ جس کی طرف اب ہم توجہ کرتے ہیں بلحاظ ترتیب اس بحث کو سب سے پہلے ہونا چاہیے تھا۔ لیکن مضائقہ نہیں۔

سچ پوچھو تو عورت کے حسن کی کشش ہی نوع انسان کو دنیا میں لائی ہے۔ اگر حضرت آدم جناب حوا کی باتوں میں آ کے خدا کا منع کیا ہوا پھل نہ کھاتے تو غالباً دنیا انسانوں سے خالی ہوتی۔ جناب حوا کے فقرے میں آ کے حضرت آدم نے جنت الفردوس اور [illegible] کی آزادیاں اور بیفکریاں ہاتھ سے کھوئیں۔ اور وہ اس دنیا میں پھینکے گئے جہاں [illegible] کی اولاد کو ایک سخت آزمائش میں پڑنا اور محنت مشقت [illegible] کے اپنا [illegible] بھرنا ہے۔

[illegible] جدا ہونے کے بعد بھی اگر انسان کی حالت پر غور [illegible] ہے کہ وہ صرف اس لیے آیا ہے کہ مرتے دم تک حسن کے کرشموں [illegible] اور اسی دھن میں جان دے۔ اُس کی زندگی و موت دونوں حسن کے [illegible] وابستہ ہیں۔ جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے سب حسن کی کرشمہ آرائیاں ہیں۔

توالد و تناسل کا سلسلہ اور گروہ انسان کا بڑھنا اور پھیلنا فقط اُس کشش کے نتائج ہیں جو خدا نے حُسن میں پیدا کر دی ہے۔ اور اب تو سائنس کی تحقیق و تدقیق یہاں تک ثابت کر چکی ہے کہ انسان ہی نہیں حیوان بھی۔ اور حیوان ہی نہیں سارے نباتات بھی اپنی بقا اور ترقی میں کشش حُسن ہی کے زیرِ بار احسان ہیں۔

یہ تو دنیوی زندگی کی حالت تھی۔ اب موت کو لیجیے۔ ہر نیکوکار و دیندار کا خیال ہے کہ دوسرے عالم میں جا کے اُس روحانی اور نورانی عالم میں حوروں کی ہمکناری نصیب ہوگی۔ چنانچہ ہر پاکباز مرنے والا حوروں سے ملنے کے شوق کو دل میں لیے ہوئے دنیا سے خوش خوش جاتا ہے۔ گویا وہ نہیں جاتا بلکہ حوران جنت کے حُسن کی کشش وہاں کھینچ لیجاتی ہے۔ مسیحیوں کے نزدیک حوروں کے علاوہ فرشتے بھی آسمانی کنواریاں ہیں جو مقبول بندوں اور خدا رس ولیوں اور سنیٹوں کے سر پر کوہ قاف کی زاہد فریب پریوں کی طرح معشوقانہ اداؤں سے آتے اور منڈلانے لگتے ہیں۔

نسل ابراہیمؑ کی ملتوں میں تو اُس عالم نور کے مہوشوں کا خیال ثواب آخرت اور نیکوکاری کے اجر تک محدود رہے دوسرے قدیم ادیان و ملل پر نظر ڈالیے تو ناز آفرین حسینان عالم بالا نے دلربائی و دلبری کے درجے سے قدم آگے بڑھا کے بہ شوقی سے معبودی کی وضع و شان اختیار کر لی ہے۔ اُن کے الٰہیات کا عنصر اعظم مہ جبین دیویاں ہیں جو قدرت کے تمام شعبوں پر متصرف و حکمراں ہیں۔ اُن کے نزدیک خدائی اختیارات حسین دیویوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ جو پاکباز اہل ارض پر اپنے چاند اور سورج کے ایسے حسن عالم آشوب کی کرنیں ڈال کے انھیں اپنا پوجاری بناتی ہیں۔ اور حُسن ہی کی کشش ہے جس سے خدا کی معبودیت اور مخلوق کی عبادت وابستہ ہے۔

حسن کی کشش ایسی زبردست ہے کہ غور سے دیکھیے تو وہی انسان کی بنانے اور بگاڑنے والی ہے۔ اور خدا نے واقعی اس میں ایک ایسی قوت پیدا کر دی ہے جو انسان سے جیسے کام چاہتی ہے کرا دیتی ہے۔ جنت کا چھوٹنا کوئی معمولی نقصان تھا؟ یہ اتنا بڑا گھاٹا تھا کہ اگر آدمی میں اپنی طبیعت پر ذرا بھی قابو ہوتا تو قیامت تک عورت کے پھندے میں نہ پھنستا۔ اور پھر کبھی اس کے دل پر حسن کی کشش کوئی اثر نہ کرتی۔ مگر نہیں۔ ایسا نہ ہوا بلکہ یوں کہنا چاہیئے کہ نہ ہو سکا۔ اس کے دنیا میں آنے کے بعد بھی جو پہلا فتنہ ہوا وہ بھی عورت کی اور حسن کی کشش ہی کی بدولت تھا۔ ہابیل نے عورت کی زلف گرہگیر میں پھنس کے نہایت ہی نیک نفسی اور پورے رضا و تسلیم کے ساتھ جان دی۔ اور قابیل نے عورت ہی کے شوق میں بھائی کے خون میں ہاتھ رنگے۔ اور پہلا قتل عمد کا مجرم قرار پایا۔

اس کے بعد سے دنیا کے تمام تاریخی واقعات کی تہ میں گھسیے تو حسن و عشق کے کرشموں سے بھری ہوئی ہے۔ اور یہ بات تھوڑے تعجب کی نہیں کہ مذاہب جن کی غرض و غایت خدا پرستی اور نظام عالم کی اصلاح ہے سب کی تاریخ کا آغاز عورت کی کشش اور حسن کے جھگڑوں ہی سے ہوا ہے۔ یہود و نصاریٰ اور مسلمان ہی کی تاریخ کو دیکھیے جن کا متحدہ و مسلمہ فتستاح آدم و حوا اور ہابیل و قابیل کے واقعات سے ہے جن کو ہم بیان کر چکے ہیں۔

ہندؤں کی دیومالا اپنے شروع ہی سے ہر بڑے سے بڑے دیوتا کی ایک دیوی ثابت کرتی ہے۔ اور ان کی تاریخ کا آغاز دو عظیم الشان لڑائیوں سے ہوتا ہے جو اگر سچ پوچھیے تو حسن و عشق ہی کے جھگڑے۔ اور دروپدی۔ اور سیتا جی کے بے مثال حسنوں کے کرشمے تھے۔ وہ کیسی نازک اور اندوہناک گھڑی تھی جب دروپدی نہایت توہین اور سنگدلی کے ساتھ پانڈوؤں کے ہاتھ سے نکل کر

چھینی گئی؟ اور پھر وہ کتنا بڑا قیامت خیز میدان جنگ تھا جس میں ایک اِس عورت کی عصمت پر ہاتھ ڈالنے کا انتقام لاکھوں آدمیوں کے قتل سے لیا گیا؟ اسی طرح وہ کیسا جگر خراش وقت تھا جب کیکئی کی آتش فشاں زبان سے راجہ دسرتھ کو رام چندر جی کے بن باس پر مجبور کیا۔ اور اس کے بعد وہ بھی کس بلا کی عالم سوز گھڑی تھی جب رات دن سیتا جی کو اُن کے وحشت ناک جنگلی مسکن سے اُڑا لے گیا۔ اور پھر ان دونوں واقعات کے نتیجہ میں وہ کیسا خون بار محشرستان تھا جب لاکھوں آدمیوں کے مارے جانے کے بعد رام چندر جی نے اپنی عصمت مآب رانی کو خانماں برباد دشمنوں کے پنجۂ ستم سے چھڑایا؟

اب مشرق کو چھوڑ کے مغرب میں چلیے تو وہاں بھی مذہب اور تاریخ کا آغاز حسن کے اُن قیامت زا کرشموں سے ہوتا ہے جنہیں عالم شاعری کے آدم اور یونان کے پہلے شاعر ہومر نے اپنی قدیم نظم ایلیڈ میں بیان کیا ہے۔ اُس کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کیسی سنسنا دینے والی گھڑی تھی جب ایشیائے کوچک کے فرمانروا پریم کا حسین و خوبرو بیٹا پارس یونان کے بڑے دیوتا جیوپیٹر کی بیٹی اور مینی لاؤس شاہ یونان کی ملکہ ہلین کو بھگا لے گیا۔ اور پھر اس کے بعد وہ کیسی جان ستان رزم گاہ تھی جس میں یونانیوں نے اِس مملکت کے دارالسلطنت ٹرائے پر چڑھائی کر کے خون کے دریا بہا دیے۔ اور جس کے واقعات بتا رہے ہیں کہ یورپ و ایشیا کے مابین جو جھگڑے شروع ہوئے وہ حسن کی کرشمہ سازیوں کے کیسے خوفناک نتائج تھے۔

دُنیا کے سب سے پہلے مؤرخ یونان ہیرودوطوس نے اپنی تاریخ کو اسی قسم کے واقعات سے شروع کیا ہے۔ ایشیا والوں کی قدیم روایتوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ کبھی اُن کا خیال بھی اس جانب گیا ہو کہ اہل یورپ سے اُن سے رقابت و عداوت

ہے۔ مگر اہل یونان اور ایشیائے کوچک والے جو ایک دوسرے کے پڑوس میں آباد تھے اُن میں ابتدا ہی سے چھیڑ چھاڑ شروع ہو گئی۔ اس کے چند روز بعد یونانیوں سے اُن چند دوسری قوموں سے رقابت پیدا ہوئی جو اُن کے ملک تک پہونچتی تھیں۔ ان لوگوں کی دست بُرد سے اُنھوں نے پورے ایشیا کو اپنا دشمن خیال کر لیا۔ حالانکہ ایشیا والے ان معاملات کو سوا شخصی بے اعتدالیوں کے کسی عام اور قومی عداوت پر محمول نہیں کرتے تھے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ درۂ دانیال کے اس پار اور اُس پار والوں میں ایک قسم کی قومی رقابت ضرور پیدا ہو گئی تھی۔

لیکن ہیرودوطوس کہتا ہے کہ یورپ اور ایشیا والوں میں مدّت ہائے دراز اور قرن ہا قرن سے جو جھگڑے چلے آتے ہیں وہ شائستہ و تعلیم یافتہ اہل فارس کے نزدیک صرف عورتوں کے لئے بھاگنے یا بھگائے جانے کے نتائج ہیں وہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلی چھیڑ فینقی تاجروں نے کی۔ یہ لوگ ملک شام کے ساحلی علاقہ فینقیہ کے رہنے والے تھے۔ دنیا کے پہلے تاجر اور پہلے جہاز راں تھے۔ بحری سفروں کے ذریعے سے اُنھوں نے اپنی تجارت اُسی قدیم زمانے میں ممالک دور و دراز تک پھیلا دی۔ اور مصر و بابل کا مال لے لے کے ممالک و بلاد یورپ تک جا پہونچے۔

اُنھیں تاجرانہ سیاحتوں میں اُن کے چند جہاز یونانی بندرگاہ ارغوس میں پہونچے اور مال تجارت اہل شہر کے سامنے پیش کیا۔ ارغوس اُن دنوں یونان کے اکثر شہروں سے زیادہ بارونق تھا۔ اُمرا و اکابر یونان آ آ کے اُن کا مال خریدنے لگے۔ اور دریا کنارے بڑا بھاری بازار لگ گیا۔ اس بازار کو لگے چار ہی پانچ روز ہوئے تھے کہ ایک دن معزز یونانی گھروں کی خاتونیں اپنی پسند کا سودا خریدنے کو آئیں۔ جن میں

وہاں سے فرمانروا شاہ اینا چوس کی حسین و گل اندام بیٹی ایو بھی تھی۔ یہ عورتیں جہاز
کے پچھلے حصہ کے پاس کھڑی لین دین کر رہی تھیں کہ یکایک فینیقی سوداگروں نے
اُن پر حملہ کر دیا۔ نازک بدن عورتیں مردوں کے اِس حملے کی بھلا کیا تاب لا سکتی تھیں
گھبرا کے بھاگیں۔ اور سب تو اپنی جان بچا کے نکل آئیں مگر شاہزادی ایُو اور اُس
کی چند سہیلیاں نہ بھاگ سکیں فینیقی اُنھیں لے اپنے جہاز میں پکڑ لے گئے۔ جھٹ
پٹ لنگر اُٹھا دیا۔ اور مصر میں پہونچ کے دم لیا۔

یونانیوں کو اس کا بڑا ملال ہوا۔ ایو تو نہ ملی۔ مگر انتقام کے خیال سے اُن کے
چند جہاز سرزمین شام کے ساحل شہر طائر میں پہونچے جو فینیقی لوگوں کا منشا و مادی
تھا۔ اور ایسی تدبیریں کیں کہ وہاں کے بادشاہ کی بیٹی شاہزادی یُوروپا کو بھگا
لے گئے۔

اس واقعہ سے یونانیوں کو اپنا انتقام مل گیا تھا مگر اُنھیں اتنے ہی میں صبر
نہ آیا۔ اُن کے چند اور جہاز بحر اسود میں (جو اُن دنوں یُوجین کہلاتا تھا) سفر کر کے
دامن کوہ قاف کے اُس ساحل پر پہونچے جہاں فی الحال اُباذی مسلمان رہتے ہیں
یہ سرزمین اُس زمانے میں کول چِس کہلاتی تھی۔ اُس میں دریائے فاسس کے
کنارے ایا نام ایک ساحلی شہر تھا اور وہیں یہ یونانی جہاز لنگر انداز ہوئے تھے۔ اپنی
مہم کے اغراض و مقاصد پورے کرنے کے ساتھ ہی ساتھ اُنھوں نے یہاں کی
گل پیرہن اور جادو نگاہ عورتوں کو دیکھا جن کے حسن و جمال کی ساری دنیا میں شہرت
تھی اور جن کے حسن کے کرشموں نے کوہ قاف کی پریوں کو حسن و جمال کا مکمل ترین
نمونہ بنا رکھا تھا۔ غرض نہایت خاموشی کے ساتھ کوشش کر کے وہ کسی حکمت سے
وہاں کے بادشاہ کی بیٹی شاہزادی میڈیا کو اپنے جہاز پر لائے۔ اور اُسی وقت
لنگر اُٹھا کے اُسے زبردستی یونان میں بھگا لائے۔

کولچس کے بادشاہ کو اپنی بیٹی کے پکڑے جانے کا بڑا صدمہ ہوا۔ اور اپنے
ایلچی یونان میں بھیجے جنھوں نے آ کے یونانیوں سے اس دست بُرد کا جواب
طلب کیا۔ اور استدعا کی کہ شاہزادی میڈیا اُن کے حوالے کی جائے تاکہ اُسے لیجا کے
اُس کے جگر چاک باپ کے سینے سے لگا دیں۔ یونانیوں نے جواب دیا "جس طرح
ایشیا والوں نے ہماری شاہزادی ایو کے بھگائے جانے کی کوئی وجہ نہیں بیان
کی اور نہ اُسے واپس کیا اُسی طرح ہم بھی نہ شاہزادی میڈیا کو واپس کریں گے اور
نہ اس کی کوئی وجہ بیان کریں گے کہ اُسے کیوں بھگا لائے۔

ایشیا والوں میں یونانیوں کی اِس دست بُرد کا انتقام لینے کا خیال برابر قائم
رہا یہاں تک کہ ایک نسل گزر گئی اور پریم کا بیٹا اس بات کے درپے ہوا کہ کسی
یونانی شاہزادی کو بھگا لاکے اپنی جورو بنائے۔ چنانچہ موقع پا کے وہ ہلین کو بھگا لایا۔
اور اُس کے نتیجے میں ایشیائے کوچک کے شہر ٹرائے کا وہ میدان گرم ہوا
جس کا ذکر ہومر نے کیا ہے۔

گزشتہ واقعات پر رائے زنی کرتے وقت ہیرودوطوس کے ایشیا والے اور
اہل فارس کہتے تھے کہ شاہزادیوں کے بھگا لیجانے کے واقعات اگرچہ تابڑ توڑ
دونوں طرف پیش آئے۔ اور ابتدا اہل ایشیا ہی سے ہوئی تھی مگر اصلی الزام یونانیوں
ہی پر ہے۔ اس لیے کہ ہلین کے بھگا لیجانے پر اُنھوں نے آپے سے باہر ہو کے
لڑائی ٹھان دی۔ ایرانی ان باتوں کو اتنی اہمیت نہ دیتے تھے کہ ان کی وجہ سے
لڑائی ٹھان دیں۔ اُن کے خیال میں عورتوں کو بھگائے جانا بے شک شرارت کا
کام تھا لیکن ایسا ہو جائے تو اُس کی بنا پر انتقام کے درپے ہو جانا اور قتل و خونریزی
کرنا اُن کے مذاق میں ایک لغو فعل تھا اور وہ کہتے کہ عقلمندوں کا یہ کام نہیں ہے
کہ ایسے واقعات کی پروا کریں۔

بہرتقدیر یورپ کی مہابھارت یعنی ٹرائے کا محاصرہ اور یورپ و ایشیا کی سب سے پہلی معرکہ آرائی حسن ہی کی ایک دلچسپ کرشمہ آرائی تھی جسے ہومر نے ہمیشہ کے لیے زندہ کر دیا ہے۔

دہیائے کاہنہ

یہ ایک عجیب و غریب عورت تھی جو آج سے ساڑھے بارہ سو برس پہلے اپنی فطرت و دانائی اور اپنی ہوشیاری اور چالاکی سے سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تھی اور قرون اولیٰ کے وہ اہل عرب جنھوں نے ایران و ترکستان اور روم و مصر کی زبردست سلطنتوں کو تہ و بالا کر دیا تھا انھیں اس ہوشیار عورت پر غالب آنے میں بڑی بڑی دشواریاں پیش آئیں۔

یہ عورت ثابت بن تیقان نام ایک بڑے رئیس کی بیٹی تھی۔ اور چونکہ اس کا شوہر قبائل زناطہ کے ایک مشہور قبیلے جراوہ کا سردار تھا۔ اس لیے وہ کاہنہ ہی نہیں اپنی قوم اور اپنے وطن کی ملکہ تھی۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے سحر اور نیرنگ کے فنون میں ایسا کمال حاصل کر لیا تھا کہ لوگ اسے غیب کی باتوں سے واقف اور بڑی بڑی شیطانی یا روحانی قوتوں پر حاکم جانتے تھے۔ اور سچ یہ ہے کہ عوام کی اسی عقیدت نے اسے ایک مدت تک ملک گیری عجیب و غریب طرح سے کاہیانہ کی کوہ اوراس اس کا مامن یا دارالحکومت تھا۔ ملت یہود کی پابند تھی۔ اور اس کی ساری قوم کا مذہب بھی یہی پرانا اسرائیلی دین تھا۔ اور یہ یہودیت ہی کا اثر تھا کہ اس نے اپنے آپکو روحانی علوم میں کامل اور بڑے شیاطین کو اپنا تابع فرمان بنانا شروع کر دیا۔

اس کے حکمراں ہونے سے پہلے علاقہ دجبل اوراس کا فرماں روا کسیلہ نام ایک شخص تھا۔ اہل عرب نے جب مصر پر قابض و حکمراں ہونے کے بعد مغرب کی طرف

آگے قدم بڑھایا تو اُنھیں طرابلس اور مراکش وغیرہ میں رومی حکمرانوں کے علاوہ اس بربری تاجدار سے بھی سابقہ پڑا۔ جسے شکست دے سکے اُنھوں نے توحیدِ الٰہی کی تعلیم اس سرزمین میں پھیلانا شروع کر دی۔ اور کسیلہ لڑائی میں مارا گیا۔ اُس کے قتل کے ساتھ ہی تمام بربری اور زناطی قبائل جا کے اُسی دہیا کے پاس حاضر ہوئے۔ اور اُسے سب سے زیادہ صاحبِ عقل اور غیب داں خیال کر کے اپنی ملکہ بنا لیا۔ یُوں اس کیا اسرائیلیہ نے اپنا قدم کہانت کے بوریے سے اُٹھا کے سریرِ فرماں روائی پر رکھ دیا۔ اور دہیم شہریاری سر پر رکھ کے تاجدار و جہاں بان بن گئی۔

حکومت کے ساتھ چونکہ اُس میں یہ کمال بھی تھا کہ ہونے والی باتیں بتا دیتی اور لوگوں سے پہلے ہی سے کہہ دیا کرتی کہ اس کام کا یہ انجام ہو گا اس لیے بربری بدوی اور افریقی اہلِ بادیہ فرماں برداری کے علاوہ اُس کے معتقد و مرید بھی بن گئے دہیا کے تین بیٹے بھی تھے جنھیں اُس نے پالا تھا اور جو خاندانی سیادت و سرداری کے وارث ہوتے تھے مگر داہیہ کی سرکش طینت نے گوارا نہ کیا کہ بیٹوں کی فرماں بردار بن کے بیٹھے۔ چنانچہ کسیلہ کے مارے جانے اور "اوراس" کی ملکہ بننے سے پہلے ہی وہ اپنے تینوں بیٹوں کو اپنے اثر اور اپنے جادو کے زور سے مغلوب و مقہور کر چکی تھی۔

اب جو وہ سارے شمالی افریقہ کی ملکہ بن گئی تو عربوں کو اُس کی سرکوبی کی فکر ہوئی خاصتہً اس لیے کہ عقبہ بن نافع کو ایسا نامی گرامی سپہ سالار عرب جس نے پورے افریقہ کو مغرب تک فاتحانہ طریقہ سے طے کر کے شہر طنجہ کے پاس گھوڑے کو سمندر میں ڈال کے یہ صدا بلند کی تھی کہ "خداوندا اگر یہ سمندر حائل نہ ہو جاتا تو جہاں تک زمین ملتی میں برابر تیری توحید کے نعرے لگاتا چلا جاتا"، اُسے بظاہر تو کسیلہ نے خود مسلمان بن کے اور مکر و دغا سے اُسے اُس کے لشکر سے جدا کر کے بربریوں کے نرغہ میں گھیر لیا تھا اور شہید کیا تھا۔ لیکن تحقیقات کے بعد کھلا کہ اس دغابازی و مکاری

کی اصلی بانی یہی مکار دہیا تھی۔ جس نے پہلے تو سنہ ۶۹ھ میں کسیلہ سے عقبہ بن نافع کو قتل کرایا۔ پھر جب کسیلہ اُس کے انتقام میں زہیر بن قیس کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تو اسی دہیا نے بربریوں اور رومیوں کو ایسا برانگیختہ کر دیا کہ سب نے یکایک نرغہ کر کے زہیر بن قیس کو بھی شہید کر ڈالا اور میدان خالی دیکھتے ہی دہیا افریقہ کی ملکہ بن گئی۔ جس کی سلطنت کسی معمولی ملکہ کی سی نہیں بلکہ ایک سن رسیدہ جادوگرنی کی ایسی تھی۔ جو علانیہ لوگوں سے کہتی کہ شیاطین مجھے ہر بات کی خبر دے جایا کرتے ہیں اور وہی ہر امر میں میرے ممد و معاون رہتے ہیں۔

یہ خبریں عبدالملک بن مروان کو پہونچیں تو اُس نے حسان بن نعمان غسانی کو والی افریقہ مقرر کر کے اس کاہنہ کی سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ زہیر بن قیس کے مارے جانے کے بعد دہیا سارے افریقہ اور نیز اُن تمام شہروں پر متصرف ہو گئی تھی جنھیں مسلمان اِس سے بہت پہلے فتح کر چکے تھے۔ حسان نے قیروان اور قرطاجنہ پر پھر قبضہ کر کے علم اسلام قایم کیا۔ اور آگے بڑھے۔ بجایہ سے ایک منزل آگے رود میسکینی کے پاس دہیا کے زبردست لشکر سے مقابلہ ہوا۔ دہیا نے ایسی جوانمردی و دلیری سے اپنی فوج کو لڑایا کہ عربوں کو فاش شکست ہوئی۔ ہزارہا مسلمانوں نے جام شہادت پیا۔ اور اُن کا ایک بڑا بھاری گروہ دہیا کے ہاتھ میں اسیر ہو گیا۔ دہیا نے اس موقع پر اتنی نیک نفسی ظاہر کی کہ جتنے مسلمان گرفتار ہوئے تھے سب کو چھوڑ دیا صرف خالد بن یزید قیس نام ایک نہایت خوش رُو جوان عرب کو روک لیا۔ اور وہ بھی کسی بُری نیت سے نہیں۔ بلکہ محض اس لیئے کہ میدان جنگ میں خالد کی نبرد آزمائی کو دیکھ کے وہ اُن سے گرویدہ ہو گئی۔ اور اُنھیں بیٹا بنا کے اپنی صحبت میں رکھا حسان شکست کھا کے واپس آئے تو برقہ کے علاقہ میں ٹھہر گئے اور عبدالملک کے دربار میں لکھا کہ اور لشکر بھیجیے۔ اور دہیا کی سرکوبی کے لیئے ضرورت ہے

سکہ عربوں کا منتخب اور اعلیٰ درجہ کا لشکر آ سکے۔ دمشق سے اس کی تعمیل میں دیر ہوئی۔ اور حسان پانچ سال تک برقہ میں کمک کے امیدوار بنے پڑے رہے۔ اتنی مدت گزرنے کے بعد عبدالملک نے ایک بڑا بھاری زبردست لشکر اور بہت کچھ مال و خزانہ بھیجا اور حسان کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ حسان چونکہ ایک دفعہ شکست کھا چکے تھے۔ اس لیئے اب کے بار روانہ ہونے سے پہلے اپنا ایک جاسوس نامہ بر خالد کے پاس بھیجا۔ اور اُن سے دہیا کے لشکر کی کیفیت اور حالت دریافت کی۔ خالد نے مخفی طور پر لکھ بھیجا کہ آپ فوراً حملہ شروع کر دیں۔ اور جس قدر جلد بنے یہاں آ پہونچیں۔ اس لیئے کہ فی الحال تمام اہل بربر دہیا سے ناراض اور اُس کے مظالم سے برافروختہ ہو رہے ہیں۔

کاہنہ میں خرابی یہ تھی کہ باوجود عورت ہونے کے نہایت جابر و ظالم تھی اور ملک کو تباہ کرنے کے سوا کبھی اُس کی آبادی کی فکر نہ کرتی تھی۔ رعایا کی فلاح سے اُسے سروکار نہ تھا۔ اور انسان کے تباہ و برباد کرنے میں کوئی مضائقہ نہ سمجھتی تھی۔ خصوصاً اب جو اس نے سُنا کہ عربوں نے پھر حملہ کا ارادہ کیا ہے تو کہنے لگی۔ ”عرب لوگ تو شہروں اور سونے چاندی کے خواستگار ہیں۔ اور ہماری خواہش یہ ہے کہ کھیتوں اور چراگاہوں کو بچائیں اور شہروں کو جو ان کی مطمح نظر ہیں خود ہی تباہ و برباد کر ڈالیں۔ تاکہ عرب لوگ جب دیکھیں کہ سارا ملک اُجڑ گیا تو نادم ہو کے واپس چلے جائیں۔“ اپنی یہ پالسی اور اپنا یہ احمقانہ خیال ظاہر کرتے ہی اُس نے اپنے سرداروں کو روانہ کیا کہ تمام شہروں کو جا کے ویران و برباد کریں۔ چنانچہ اس حکم کی تعمیل سختی سے ہونے لگی۔ تمام چھوٹے بڑے شہر اُجاڑ دیئے گئے۔ زبردست اور مضبوط قلعے مسمار و منہدم کر ڈالے گئے۔ اور ساری رعایا کے گھر لوٹ لیے گئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ حسان نے دو ہی چار کوچ کیے تھے کہ رومی ساکنین افریقہ کے ایک

جم غفیر نے آ کے دوہائی دینا شروع کی کہ خدا کے لیئے ہمیں دہیا نے کاہنہ کے ظلم سے بچا لیجیئے۔ آگے بڑھ کے وہ شہر فانیس میں پہونچے تو شہر والوں نے بہت سا مال و دولت لا کے سامنے رکھ دیا اور اظہار اطاعت کیا۔ حسان نے خوش ہو کے اُن سے امن وامان کا وعدہ کیا۔ اپنی طرف سے ایک والی وہاں مقرر کیا اور شہر قفصہ میں پہونچے۔ یہاں کے لوگوں نے بھی سر اطاعت جھکایا۔ پھر وہ اور کوچ کر کے شہر قسطیلیہ میں آئے اور اُس پر بھی قابض ہو گئے۔

اب جو عربوں کی چڑھائی کی خبر دہیا کو پہونچی تو اُس نے اپنے دو بیٹوں اور خالد بن یزید کو اپنے سامنے بُلوا کے کہا "مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ میں اب کی لڑائی میں ماری جاؤں گی۔ اِس لیئے تمہارے حق میں مناسب یہ ہے کہ خود ہی حسان کے پاس چلے جاؤ۔ اور اپنے لیئے امان مانگ لو۔ بلکہ اُنہیں سے مل جاؤ۔ اب اس کے بعد تمہیں میرا ساتھ دینے کی ضرورت نہیں ہے۔" چنانچہ اُس کے بیٹے اور خالد اُس کی اجازت سے عربی لشکر گاہ میں چلے آئے۔ حسان کی اطاعت قبول کر کے اپنے لیے امان حاصل کی۔ اور عربوں ہی میں رہنے سہنے لگے۔ اب حسان اپنے لشکر کے ساتھ اُس کے سر پر جا پہونچے۔ دہیا نے اگرچہ اپنے فرزندوں کو بھیج دیا تھا مگر اُس نے اطاعت قبول نہیں کی۔ اور دونوں لشکر آمنے سامنے صف آرا ہو گئے۔

آخر لڑائی شروع ہو گئی۔ اور بڑی ہی خونریز لڑائی ہوئی۔ اس مرتبہ عربوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ اور افریقہ اور بربر والوں کی ہمتیں پست تھیں کیونکہ اب کی خود دہیا میں نہ وہ اگلا سا جوش و خروش تھا اور نہ کامیابی و فتحمندی کی اُمید تھی چنانچہ بربریوں کو شکست ہوئی۔ اور عربوں نے کشتوں کے پشتے لگا دیے اس لڑائی کے ہنگامہ میں کسی اسلامی بہادر کی تلوار خود دہیا کے کاہنہ پر پڑ گئی جو گری اور تڑپ کے اُسی جگہ رہ گئی۔ اُس کے قتل ہوتے ہی بربریوں نے ہتھیار ڈال کے پناہ مانگنا شروع

کی۔ اور فاتحوں نے اپنی خون آلود تلواریں میان میں کیں۔

منجملہ دیگر عجائبات کے یہ بھی ہے کہ کہتے ہیں جس وقت دہیا ئے کاہنہ ماری گئی ہے اُس کی عمر ۱۲۷ سال کی تھی۔ اور تخت جہانبانی پر بیٹھے ہوئے اُسے ۶۵ سال گزر چکے تھے۔ اُس کے مارے جاتے ہی پھر کس میں مخالفت و سرتابی کا حوصلہ تھا سارا افریقہ مطیع و منقاد ہو گیا۔ اور عربوں نے افریقہ کی مہم سے فارغ ہوتے ہی اندلس کے فتح کرنے کی طرف توجہ کی۔

افریقہ میں اب امن وامان قائم ہو جانے کا اصلی سبب یہ تھا کہ حسان نے دہیا کا فتنہ دور کرتے ہی ایک نیا فوجی قانون جاری کیا جس کی نسبت کہا جاتا ہے کہ اُس کا پہلا موجد فرانس کا سپہ سالار مسٹر ڈوپلے تھا جس نے ہندوستان میں پہلے پہل یہ تجویز کی کہ ہندوستانیوں کا ایک باضابطہ لشکر فرانسیسیوں کی تائید کے لیے قائم کیا جائے۔ جسے پوری تعلیم اور پورے اسلحہ دیے جائیں۔ اور اِس کا اندیشہ نہ کیا جائے کہ یہ کبھی دغا دیں گے۔ اس سے پہلے ہندوستان میں فرنچ گورنمنٹ اور برٹش گورنمنٹ کی جتنی فوجیں ہندوستان میں تھیں سب فرانسیسی اور انگریز سپاہیوں کی تھیں۔ ڈوپلے کی اس تجویز کے بعد سے فرانسیسیوں نے ہندوستانی فوجیں اپنے یہاں مقرر کیں اور انگریزوں نے اپنے یہاں۔ اور جوں جوں اُن کی وفاداری کا تجربہ ہوتا گیا اُن کو روز بروز ترقی دی گئی۔

مگر ڈوپلے سے گیارہ بارہ سو برس پہلے یہی اصول دہیا کا ہنگامہ فرو کرنے کے بعد حسان بن نعمان نے افریقہ میں جاری کر دیا تھا۔ اس لیے کہ اُس نے بربریوں پر یہ لازمی قرار دیا کہ اُن کے اچھے جوانوں کی بارہ ہزار فوج ہمیشہ قائم رہا کرے جس کا کام یہ ہو کہ اگر اہل بربر میں سے کوئی بغاوت کرے تو وہ فوج فوراً اُس کی سرکوبی کے لیے اُٹھ کھڑی ہو۔ جس کا بہت بڑا نمایاں نتیجہ یہ ظاہر ہوا پھر مدتوں تک عالیائے

افریقہ مسلمانوں کے خلاف سر نہیں اُٹھا سکی۔

دہیائے کاہنہ کا واقعہ طرابلس الغرب کی اُس فتح سے بہت دنوں بعد کا ہے جب حضرت عبداللہ بن زبیر نے جا کے قلعہ طرابلس پر جوہر شجاعت دکھا کے گریگوری کی بیٹی فلیپانا کو اپنی حرموں میں شامل کیا تھا۔ دراصل وہ افریقہ کی پہلی فتح اسلام تھی اور یہ آخری فتح اسلام۔ کیونکہ اس کے بعد پھر مسلمانوں کو دوبارہ فتح کرنے کی ضرورت اگلے دنوں نہیں پیش آئی تھی؀

آل عثمان میں پہلی سلطنت مسیحیہ

ترکان آل عثمان کا دوسرا تاجدار اورخان ہے جو عثمان خاں بانی خاندان کا سعادتمند فرزند تھا۔ اُس کا عہد ۱۳۲۶ء سے ۱۳۶۰ء یعنی ۳۴ سال تک رہا۔ اریکہ آرائی کے اعتبار سے گو کہ وہ اپنے خاندان کا دوسرا تاجدار تھا مگر سچ یہ ہے کہ سلطنت عثمانیہ اُسی کے عہد سے ایک ترقی کرنے والی زبردست سلطنت بننا شروع ہوئی۔ اُس زمانے تک اُدھر کی تمام اسلامی قلمروؤں میں پُرانا سلجوقیوں کا سکہ مروج تھا اورخان نے اپنے خاص خاندان کا سکہ جاری کیا۔ سب سے پہلے اُس نے شہر بروصہ پر قبضہ کر کے اُسے اپنا مرکز حکومت بنایا۔ عالی شان جامع مسجد، شاہانہ عظمت و جلال کے دارالعلوم۔ اور رفیع الشان خیرات خانے سے اُس نے اپنے اُس نئے دارالسلطنت کو رونق دی۔ اور اُسے ایک اسلامی شہر بنا دیا۔ توحید کی صدا بلند ہوتے ہی نیقیہ کا عیسائی کلیسا (فرقہ) فنا ہو گیا۔ اور جس طرح خدا کے شریک دیوتاؤں کے مندر مسیحیت کی صدا سے منہدم ہوئے تھے ویسے ہی اب بیٹے والے خدا کے معبد خدائے "لم یلد ولم یولد" کے آگے سربسجود ہو گئے۔

چند ہی روز میں اورخان نے مسیحی دولت یونان سے اُن شہروں اور علاقوں پر

قبضہ کر لیا جو ایشیائے کوچک میں واقع تھے اور جنھیں یونانیوں کی قدیم مہابھارت جنگ ٹرائے سے تعلق تھا۔ اُن دنوں یونانی سلطنت جس کا دارالسلطنت قسطنطنیہ تھا وحشی بلغاریوں کے دست ستم سے خائف تھی۔ وارثانِ سلطنت میں جھگڑے تھے۔ اور سلطنت یونان اپنے پڑوسیوں کا نام لے لے کے دوہائیاں دے رہی تھی۔

اسی اثنا میں ترکوں نے اپنی بحری قوت مضبوط کرنا شروع کی تاکہ جزائر یونان اور بلادِ یورپ پر حملہ آور ہوں۔ ترک اُدھر بڑھنے کا منصوبہ دل ہی میں ٹھہرا ہی رہے تھے کہ "کانتا کوزین" اسنے جو دلی کی حیثیت سے نظم و نسق سلطنت کا ذمہ دار تھا بلغاریوں کی آفت سے بچنے کے لیئے اُنھیں خود ہی اپنی مدد پر بلایا۔ یہ مدد نہایت ہی فیاضی اور کشادہ دلی سے دی گئی۔ ایک ترک سردار اپنے زبردست لشکر کو جہازوں میں بٹھا کے ساحل بلقان پر سے گیا۔ ساری فوج جہازوں ہی پر چھوڑی اور تھوڑے سے منتخب جوانمردوں کے ساتھ شہر ڈیموٹکا میں پہونچا جہاں یہ حالت تھی کہ "کانتا کوزین" منھ چھپا کے سرویا کی طرف بھاگ گیا تھا۔ لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ زندہ ہے یا مرگیا اُس کی بی بی "ایرینہ" شہر کے اندر محصور تھی۔ اور بلغاری محاصرہ کیئے ہوئے تھے ترکوں نے پہونچتے ہی بلغاریوں کو بھگا دیا۔ اور اگرچہ سخت سردی کا موسم تھا فصیل شہر کے باہر اُتر پڑے۔

ملکۂ ایرینہ نے اظہار شکر گزاری کے لیئے بہت سے قیمتی تحفے و ہدایا اور نفیس گھوڑے ہدیۂ نذر کیئے اور سردار عساکر ترک کو اپنے محل میں بطریق دعوت بُلایا۔ اُس کی دلچسپی کے لیئے بڑے بڑے سامان کیئے۔ اور کہلا بھیجا کہ جلد تشریف لائیے میں آپ کی منتظر ہوں۔ مسلمان سردار نے اس دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا۔ مگر کیوں؟ خیال کیا گیا کہ شاید سردار ترک اس لیئے عیش کدۂ شاہی میں نہیں آتا کہ اُس کے ہمراہی شہر کے باہر برف اور سردی میں پڑے اکڑ رہے ہیں۔ وہ نہیں

چاہتا کہ اپنے رفیقوں کو تکلیف میں چھوڑ کے خود دعوت کھائے اور قصر شاہی میں عیش منائے لیکن نہیں مسلمان سردار کا معیار شرافت یونانیوں کے خیال و مذاق سے بہت بلند اور نہایت شریفانہ تھا۔ اُس نے کہلا بھیجا "میرا نفس اس بات کو نہیں گوارا کرتا کہ میرا جو برگشتہ بخت دوست گھر سے غائب اور خانماں برباد ہے اُس کی غیبت میں اُس کے جورو کے پاس اُٹھوں بیٹھوں اور اُس سے ہم صحبت ہوں۔" یہ ایک ایسی اعلیٰ تہذیب تھی جس سے یورپ والوں کے کان اُس وقت تک نا آشنا تھے۔ الغرض اُس نے جہاں تک بنا حاکم یونان کا تنا کوزین کی جستجو کی۔ اور جب اُس کا پتہ نہ لگا تو بغیر اس کے کہ اُس کی بی بی سے تنہائی میں ملے بہت سا مال غنیمت اور بہت سے لونڈی غلام جو دشمنوں سے ملے تھے لے کے واپس چلا آیا۔

مؤرخین یورپ کہتے ہیں کہ ترکوں نے دول بلقان کو باہم لڑا کے اُس ملک پر قبضہ کر لیا۔ مگر دغابازی کے اس فن کے اُستاد رومی تھے مسلمانوں اور ترکوں کو یہ کاٹ چھانٹ نہیں آتی تھی۔ اُن کا قدم خالص ہمدردی کے خیال سے پہلے پہل یورپ میں گیا تھا لیکن اس موقع پر یورپ والوں نے اُن کی زبردست بحری قوت کو دیکھ کے کوشش کی کہ اُن کا استیصال کر دیں چنانچہ قبلۂ کعبۂ اہل پوپ نے اُن کے خلاف جہاد کر دینے کا فتویٰ دے دیا۔ شاہ قبرص، سلطنت جمہوری وینس۔ اور سینٹ جان کی نائٹس والے مذہبی بانکے جو صلاح الدین اعظم کے ہاتھوں بیت المقدس سے نکالے گئے تھے اور مسیحی دنیا میں خدائی فوجدار بنے پھرتے تھے مع حواریین حضرت پوپ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہوئے۔ مگر لڑائی میں ان کا رنگ کچھ ایسا بگڑتا نظر آیا کہ گھبرا گئے اور دب کے صلح کر لی۔

ان موافقانہ و مخالفانہ واقعات نے پوپ صاحب کو تو ترکوں کی قوت توڑنے

کی مصلحت سمجھائی لیکن ترکوں کو جو مصلحت سوجھی وہ انوکھی دلچسپ اور مزہ دار تھی۔ وہ یہ کہ حاکم یونان سے قرابت پیدا کی جائے سلطان اورخان نے کانتاکوزین کی حسین و نازنین حور وش و پری جمال تھیوڈورا کو کہیں دیکھ لیا تھا۔ اور دیکھتے ہی اُس کے رخ زیبا پر فریفتہ ہوگیا تھا۔ اِس پولیٹیکل مصلحت کا خیال آتے ہی کانتاکوزین سے بہ ادب و تہذیب درخواست کی گئی کہ اگر آپ اپنی بیٹی تھیوڈورا کو میرے عقد نکاح میں دے دیں تو میں آپ کا دوست بن جاؤں۔ اور ایک ادنیٰ خادم اور بیٹے کی طرح پیش آیا کروں۔

شریعت اسلام نے کتابیہ یعنی نصرانیہ اور یہودیہ عورت کے ساتھ نکاح پہلے ہی سے جائز بتایا تھا۔ مسیحیت کی پُرتعصب دنیا میں اس کا فتویٰ حاصل کرنا البتہ دشوار نظر آتا تھا۔ لیکن جب شہنشاہ قسطنطنیہ کو اس قرابت میں اپنی پولیٹیکل مصلحت نظر آئی تو یونانی کلیسا نے بھی ذوق و شوق سے اجازت دے دی اور قسطنطنیہ کے محل میں شاہانہ جشن شروع ہوتے ہی جوش و خروش سے ہرپلے گائے جانے لگے۔

خود اورخان دُلہن کے بیاہنے کو نہیں گیا بلکہ اُس کی جگہ اُس کا سفیر اور بہت سے معزز سرداران ترک ۳۰ جہازوں پر سوار ہو کے گئے اور مقام سلیبریا میں پہونچے جہاں دُلہن والوں کی طرف سے جشن طرب منعقد ہونے والا تھا۔ شاہانہ جاہ و جلال سے ایک عالیشان کوشک بنا کے حُجلۂ عروسی کی طرح آراستہ کی گئی۔ جس کے چاروں طرف ریشمی زرکار پردے پڑے ہوئے تھے۔ اور آراستگی کا کوئی سامان نہیں اُٹھا رکھا گیا تھا۔ صبح کا سہانا وقت تھا کہ مسلح فوج زرق برق وردیاں پہنے صفیں باندھے گرد کھڑی ہوگئی۔ کل اعلیٰ وادنیٰ افسر ادب سے پاپیادہ کھڑے تھے فقط سردار کانتاکوزین گھوڑے کی پیٹھ پر تھا۔ کوشک کے اندر ایک مرصع تخت

زریں پر مہ جبین تھیوڈورا بڑے بناؤ چناؤ کے ساتھ لا کے بٹھائی گئی۔ وہ پُر تکلف بھاری کپڑے پہنے تھی۔ سر سے پاؤں تک زیور و جواہرات سے آراستہ تھی۔ بڑی بڑی ہوشیار مشاطاؤں نے اس کا سنگھار کیا تھا۔ اور وہ ایک آسمانی دیوی یا حور بنا کے اپنے تخت زرنگار پر نزاکت و انداز سے بٹھائی گئی۔

جب سب سامان درست ہو گیا تو ایک تُرہی بجی۔ اور اُس کی طلسمی آواز کے ساتھ ہی تمام حاضرین اور سمرقیا کے والوں یعنی سرداران ترک کو ایک جادو کا سا کارخانہ معلوم ہوا یعنی وہ تمام زرنگار پردے ایک چشم زدن میں خود بخود کھنچ کے غائب ہو گئے۔ اور نظر آیا کہ مشعلیں بلند ہیں۔ مہتابیں چھوٹ رہی ہیں۔ ملائک فریب تھیوڈورا اپنے زرنگار مرصع تخت پر جلوہ افروز ہے۔ اُس کی ماں شہنشاہ بیگم ایرینیہ اُس کے برابر بیٹھی شوق و محبت کی نگاہوں سے بیٹی کے پروان چڑھنے کا تماشا دیکھ رہی ہے۔ اور صدہا خواجہ سرا۔ فرشتہ صورت غلام اور حور طلعت کنیزیں آگے پیچھے اُس کے گرد حلقہ باندھے ہوئے جو ادب کے ساتھ گھٹنے ٹیکے اور ہاتھ جوڑے ہیں۔ گویا سب اپنی پری رخسار دیوی کی پرستش کر رہے ہیں۔ پردوں کے ہٹتے ہی ہر چہار طرف باجے بجنا شروع ہوئے۔ نفیری اور شہنائی کا نغمہ بلند ہوا۔ نقاروں پر چوبیں پڑیں۔ ڈومنیوں نے میری ہریالی بنّو کا ترانہ گایا۔ اور مستند شعرائے زمانہ نے اُس کی مدح کے قصیدے سنائے۔ اِس شان اور آن بان سے بغیر اس کے کہ جیسے میں عقد نکاح کی کوئی رسم ادا ہو دُلہن رخصت کر کے ترک سفیروں کے سپرد کر دی گئی۔ اور خان نے صرف اِس بات کا اقرار کیا تھا کہ دُلہن اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہ کی جائے گی۔ اور کسی مسیحی رسم کو نہیں قبول کیا تھا۔ جیسے ہی دُلہن کی سواری بروسہ میں پہونچی اور خان نے اپنے چاروں بیٹوں اور تمام بی بیوں حرموں اور مخصوصین دربار کے ساتھ شہر کے باہر آ کے استقبال کیا۔ یہاں اسلامی

اُصول کے مطابق عقدِ نکاح ہوا۔ اور تھیوڈورا مسلمانوں کی سلطانہ بن گئی ۔

قیصرہ تھیوڈورا

جناب سرورِ کائنات صلعم کی ولادت قسطنطنیہ کی مشرقی سلطنت روم کے تاجدار جسٹن دوم کے عہد میں ہوئی ہے جو ۵۷۴ء یعنی ولادت محمدی کے چوتھے برس تک قسطنطنیہ کے تخت پر حکومت کرتا رہا تھا۔ اس سے پہلے اُس کا چچا جسٹینین قسطنطنیہ تاج و تخت کا مالک تھا اور ۵۲۷ء سے ۵۶۵ء یعنی ۳۸ سال تک یورپ کی مشرقی دُنیا کے سیاہ و سفید کا وہی مالک تھا جسٹینین کے زمانے اور اُس کے حالات پر غور کرو تو عجب متضاد واقعات نظر کے سامنے آجاتے ہیں وہ عقلمند تھا۔ اچھا تھا۔ بڑا زبردست تھا۔ نئے نئے قوانین جاری کیے۔ بہت سے ملک فتح کیے۔ قسطنطنیہ کی جامع آیا صوفیہ کو جو اہل روم کی علم کی دیوی کا مندر تھی از سرِ نو تعمیر کرا کے عیسائیوں کا گرجا قرار دیا۔ پھر اسی کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اُس کے زمانے میں بڑے مظالم ہوئے۔ اُس کا عہد فتنوں اور ہنگاموں سے بھرا ہوا تھا۔ اور اُسے اپنے ملک کے اندرونی جھگڑوں اور تعصبات کی بدولت کبھی ایک گھڑی کو بھی اطمینان سے بیٹھنا نہیں نصیب ہوا۔ اور ان سب باتوں سے بڑھی ہوئی یہ بات تھی کہ اُس کی بی بی تھیوڈورا تھی جو ایک عجیب و غریب عورت تھی۔ جس کے مذاق و اطوار کی دورنگی بابل کی قدیم ملکہ سمیرامیس کی زندگی سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھی۔ اور ہمیں یقین ہے کہ اُس کے حالات ناظرین کے لیے بہت ہی دلچسپ ثابت ہونگے۔

اُن دنوں قسطنطنیہ کے فرماں رواؤں اور امیروں کو قدیم یونانیوں اور رومیوں کی طرح تھیٹروں اور سرکسوں کا بڑا شوق تھا۔ سرکسوں میں وحشی درندے عام

ناظرین کے سامنے لاسکے باہم لڑاسئے اور بدنصیب مجرموں اور قیدیوں پر چھوڑے جاتے تھے۔ جس ضرورت سے اکثر شیروں ریچھوں۔ چیتوں اور تیندودں کی ایک بڑی بھاری تعداد موجود رہا کرتی تھی۔ انسطاسیوس قیصر کے زمانے میں قسطنطنیہ میں اِن وحشی درندوں کا داروغہ اقاقیوس نام ایک شخص تھا جو ہمارے ذات بابرکات کامل پاشا کا ہم وطن یعنی جزیرہ قبرس (سائپرس) کا رہنے والا تھا۔ یہ شخص ہمارے قسطنطنیہ اور اُس کی قلمرو میں "ریچھ والا" کہلاتا تھا۔ جو پھبتی صورت وسیرت کے لحاظ سے کامل پاشا پر بھی پوری طرح صادق آسکتی ہے اقاقیوس کے ریچھ والا کہلانے کی وجہ شاید یہ ہو کہ وہ ریچھوں کو زیادہ پالتا اور اُنھیں بڑی کامیابی کے ساتھ سدھاتا تھا۔ یہ خدمت معزز ہو یا نہ ہو مگر اس میں شک نہیں کہ کل امیروں میں وحشی جانوروں کا تماشا دیکھنے کا شوق ہونے کی وجہ سے رؤسا کے ایک بڑے حلقے پر اُس کا اثر تھا۔ اقاقیوس جب مرا تو اُس نے تین کافر ماجرا بیٹیاں چھوڑیں۔ بڑی تو میطو منجھلی تھیوڈورا۔ اور چھوٹی انسطاسیہ۔ باپ کے مرنے کے وقت اِن میں سے بڑی بھی سات سال سے زیادہ کی نہ تھی۔ بیوہ ماں نے اپنے شوہر کی داروغگی و دھونس حاصل کرنے کے لیئے بڑی دوڑ دھوپ کی۔ ایک ایک کے پاس جا کے روئی۔ اور جب دیکھا کہ اِس خدمت کے سرانجام دینے کے لیے کسی مرد کی شدید ضرورت ہے تو جھٹ پٹ نکاح کرکے اپنے نئے شوہر کا نام بھی دربار میں پیش کردیا مگر سماعت نہ ہونا تھی نہ ہوئی۔

اب اُس نے اپنی تینوں کمسن نادان بھولی بھالی بچیوں کو فریادیوں کے کپڑے پہنا کے تھیٹر میں بھیجا۔ اُن دنوں رومی رؤسا وامرا دو گروہوں میں بٹے ہوئے تھے سبز بانے والے اور نیلے بانے والے (جن کے مفصل حالات ہم آئندہ لکھیں گے) ان دونوں گروہوں میں باہم سخت رقابت تھی اور ہمیشہ ٹھنتی رہا کرتی۔ یہ خوبصورت

ننھی ننھی فریادیں اُن کے سامنے گئیں تو سبز باے والوں نے اُن کی تحقیر و تضحیک کی۔ اور نیلے باسنے والوں کو اُن پر ترس آیا۔ مگر ہاں کا مطلب اب بھی نہ حاصل ہوا۔

اِن حسین لڑکیوں میں سے منجھلی تھیوڈورا سب میں زیادہ حسین و نازنین اور سب سے بڑھ کر ذہین و ہوشیار تھی۔ نیلے باسنے والوں کا یہ سلوک اُس کے دل پر نقش ہو گیا۔ اور جب موقع ملا تو اپنا بدلا لینے میں اُس نے کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی۔ پری جمال تھیوڈورا اُن دنوں اگرچہ ایک بیکس و بے یار یتیمہ تھی اور قسطنطنیہ کے لوگوں نے اُس کی پامالی میں کوئی بات نہیں اُٹھا رکھی تھی مگر تقدیر بر سر یاری تھی۔ اور خود قدرت نے عجیب عالمگیر قوت کے ساتھ اُسے پالنا۔ نشو و نما دینا۔ اور اُس کے حسن و جمال کو چمکانا شروع کیا۔ اُس کے اُٹھتے ہوئے شباب اور اُس کی کافر ماجرائی کی اداؤں کو دیکھ دیکھ کے سارے زمانے کی زبان پر تھا۔ ع

"اب تو فتنہ ہے کوئی دن میں قیامت ہوگی"

یہ تینوں لڑکیاں جب جوان ہوئیں تو اپنی بے بسی و بے کسی سے اور نیز اس وجہ سے کہ کوئی مربی سر پر نہ تھا اہل قسطنطنیہ کی جلوت و خلوت کی دلچسپیوں اور عشرت پرستیوں کا مشغلہ بن گئیں۔ اندرونی زندگی میں اُن کو شوقین رؤسائے شہر نے بے آبرو کیا۔ اور اُن کی ظاہری زندگی یہ تھی کہ خوبصورت ایکٹرسوں کی طرح اسٹیج پر آکے اپنے ناز و کرشمے سے ناظرین کی دلربائی کرتیں۔ پہلے بڑی بہن کومیطو اسٹیج پر آئی۔ اور اُس کے بعد جب تھیوڈورا بھی اسٹیج پر آکے نمودار ہوئی تو اُس کے حسن و جمال نے اُس وقت کے قسطنطنیہ میں قیامت کی سی ہلچل ڈالدی۔ جب وہ ایک نوعمر خوبصورت غلام کے بھیس میں ایک تپائی سر پر رکھے اسٹیج پر آتی تو ہزاروں تماشائی دل مسوس کے رہ جاتے۔ اور جو جو وہ آزادی و بیباکی سے اپنی دلفریب ادائیں دکھاتی لوگوں کے دل ہاتھ سے نکلتے جاتے۔ ورنہ کبھی ناچ

نہ گائی۔ نہ اُس نے بانسری بجائی۔ صرف اپنے ناز و انداز کے کرتب دکھائے۔ اور اپنے پیدائشی حُسن کے کرشموں سے دنیا کو جیتنا شروع کیا۔ اکثر مذاق کے کھیلوں میں وہ یک بیک کچھ ایسی دلربائی کی اَدا سے مُنہ تھوتھا لیتی۔ اور ایسے مضحکہ خیز لہجے اور آواز میں شکوہ کرتی۔ اور بگڑ بگڑ کے ڈھیلے ہاتھوں سے مارنے لگتی کہ دیکھنے والے آپے سے باہر ہو جاتے۔ اور ہزارہا خلقت سے تحسین و تعریف کے نعرے بلند ہوتے۔ اُس کے دلفریب حُسن پر اُس کی یہ شوخ ادائیاں اور چلبلے پن کی حرکتیں ایسا زیب دیتی تھیں کہ جو تھا اُس کا فریفتہ تھا۔ اُس کے خط و خال نہایت ہی لطیف و نازک تھے۔ اور مصوروں اور شاعروں کا خیال حُسن کی جو اعلیٰ سے اعلیٰ تصویر کھینچ سکتے تھے وہ ڈورا کا پیارا چہرہ اُس پر غالب ہی آجاتا۔ رنگت کسی قدر زرد اور گندمی تھی۔ اور اُس میں ایک ایسی فطرتی دلکشی تھی کہ اُس کے خوبصورت چہرے کو دلوں کا مقناطیس کہیے تو بیجا نہ ہوگا۔ شوخ آنکھیں چلبلے پن کے ساتھ ہر وقت چلتی ہی رہتیں اور اُس کی حرکت اور اُس کے ہر انداز میں اپنا تھوڑا سا جادو اس طرح شریک کر دیا کرتیں کہ کوئی دل نہ تھا جس پر اُس کا جادو چل نہ جاتا۔ اُس کی بات بات میں نزاکت تھی۔ اور ہر ہر ادا میں لگاوٹ۔ غرض ایک فتنہ تھا کہ اُس کے سامنے سارے فتنے دب گئے۔

مگر افسوس تو یہ ہے کہ ایسے اعلیٰ درجے کے حُسن کی سخت بے وقعتی ہو رہی تھی۔ اِس لیے کہ یہ آفتاب حُسن عوام کی نظروں کے سامنے تھا۔ ہر شخص کی شہوت پرستی کے جذبات اُسے نہایت ہی آسانی و سہولت سے حاصل کر سکتے تھے۔ اور ایسے بے مثال جمال تمام زناکار لوگوں کے لیے عام اِس سے کہ خاص شہری ہوں یا آفاقی اور چاہے کسی طبقے اور درجے کے ہوں اور کوئی پیشہ و حرفہ کرتے ہوں سب بے عذر موجود تھا۔ عشاق کے ہجوم اور حُسن پرستوں کی مزاحمت نے اکثر یہ رنگ

بھی دکھایا کہ ایک عاشق اپنی خوش نصیبی پر ناز کرتا ہوا اسکے بستر عیش پر پہونچا مگر اسی رات کو کسی دوسرے زبردست اور دولتمند عاشق نے اُسے ڈھکیل کے تھیوڈورا کے بستر عیش پر اپنا قبضہ کر لیا۔ آخر یہانتک نوبت پہونچی کہ جب وہ سڑکوں پر گزرتی تو جو لوگ بد تہذیبی و بیحیائی سے بھاگتے یا جو ایسی ہرجائی نازنین کے عاشق و فریفتہ ہو جانے سے ڈرتے منہ چھپاتے یا راستے سے کترا کے نکل جاتے۔ اسی قدر نہیں مورخین ڈرانا بتاتے ہیں کہ تھیوڈورا کی بے شرمی آخر اس درجے کو پہونچگئی تھی کہ بارہا پبلک اسٹیج پر برہنہ آکے اُس نے اپنے ہنر اور اپنے ناز و انداز دکھائے۔ عیش پرستی کے فنون لطیفہ میں تھکنے کے بعد وہ فطرت کے اس بخل کی شکایت کرتی کہ انسان کو اُس نے عیش کے برداشت کرنے کی بھی کس قدر کم طاقت دی ہے۔ شائستگی کی زبان اس قسم کے واقعات کو ہمیشہ پردے میں رکھا کرتی ہے۔ مگر تھیوڈورا کی بے اعتدالیاں اس درجے کو پہونچ گئی تھیں اور اُس کے شہوت رانی کے جذبات۔ اور اُسکے عیاشانہ ہنر اس قدر اعتدال سے باہر تھے کہ کسی پردے میں نہیں چھپ سکتے۔ بہرحال قسطنطنیہ کے معزز طبقہ والوں اور عام دولت مندوں میں سے شاذ و نادر ہی کوئی باقی رہا ہوگا جس نے تھیوڈورا کے حسن و جمال کے مزے نہ لوٹے ہوں۔

تھوڑے زمانے تک حسن پرستان قسطنطنیہ کی دیوی اور بے شرمی کی ملکہ بنے رہنے کے بعد وہ اقبولوس نام ایک معزز شخص کے گھر بیٹھ گئی۔ اور اقبولوس مصر و افریقہ کا گورنر مقرر ہوکے اپنے علاقہ کو گیا تو اُس کے ساتھ وہ بھی روانہ ہوئی۔ مگر قیامت یہ تھی کہ باوجود اس کے کہ اقبولوس اُس کی پرستش کرتا تھا اور اُسکی حکومت و دولت کا زیادہ حصہ اُسی کی ناز برداری میں صرف ہوجاتا تھا مگر وہ اپنی اندرونی عشق بازیوں سے باز نہ آتی۔ ظاہر میں اقبولوس کی پابند تھی اور باطن میں دیکھیئے تو اندر ہی اندر بہتوں سے تعلقات تھے۔ جیسے اس کی عادت پڑگئی ہو کہ سیکڑوں سے آنکھیں لڑائے اور

اور بیسیوں کا آغوش شوق گرم کرے اُس سے ایک کا ہو کے رہنا بہت دشوار تھا
آخر اقبولوس نے تنگ آ کے ایسی فضول خرچ اور بے عصمت معشوقہ کو نکال باہر کیا۔

اب تھیوڈورا بے یار و مددگار بے انیس و ہمدم اسکندریہ کی سڑکوں پر افلاس و
فلاکت زدگی کی حالت میں ماری ماری پھرتی تھی۔ مگر اُس سے بے مثل و بے نظیر حسن
سے بڑا مددگار کون ہو سکتا تھا؟ اُسی کے کرشموں سے انسانوں کا شکار کھیلتی اور قدم
قدم پر خلقت کو اپنا اسیر گیسو بناتی ہوئی خشکی کی راہ سے قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوئی
ارض شام سے ایشیائے کوچک کے آخر تک ہر مقام میں اُس کا گزر ہوا۔ اور ہر شہر نے
اس حسین و پری جمال قبرسیہ کے حسن کے مزے لوٹے۔ جہاں گئی لوگ اُس کے غیر
معمولی حسن کی وجہ سے اُسے کوئی انسان سے مافوق مخلوق حور یا دیوی خیال کرنے
لگے۔ یونانیوں کے حسن کی دیوی وینس (زہرہ) بھی جزیرۂ قبرس ہی میں پیدا ہوئی
تھی۔ لہذا عام خیال یہ تھا کہ یہ نئی مہ جبین اگر وینس کا کوئی نیا روپ نہیں تو اُس کی
نسل سے ضرور ہے۔

تھیوڈورا اس بات کو بخوبی سمجھی ہوئی تھی اور روز بروز سمجھتی جاتی تھی کہ دنیا میں
فتحمند و کامیاب ہونے کے لیے خدا نے جو مجھے سلاح دیا ہے وہ میرا عالمگیر
حسن ہے لہذا اُس کی حفاظت اور اُس کے اُبھارنے اور چمکانے میں کبھی
ذرا بھی غفلت و کوتاہی نہ کرتی۔ خاصتہً اس بات کی تدبیروں میں ہمیشہ لگی رہی کہ کوئی
بچہ نہ پیدا ہونے پائے۔ لیکن اس آوارہ گردی کے زمانے میں جب وہ روز نیا دانا
کھاتی نیا پانی پیتی اور نئے پلنگ پر سوتی تھی ایک بار نیچر کی کمند میں پھنس ہی گئی حمل رہ گیا
اور ایک لڑکا پیدا ہوا جسے اُس نے کسی معزز سردار کے سر تھوپا۔ اور اُسی
کے آغوش میں چھوڑ کے آگے بڑھی۔

اب تھیوڈورا کی عام دلربائیوں سے اس قسم کے واقعات اکثر پیش آنے

کہ لوگ اُس کی لگاوٹ میں آکے اُس کے حجلۂ نازنیں باریاب ہوتے۔ مگر چند ہی باتیں کرنے پاتے تھے کہ کوئی دوسرا شخص آکے اُنھیں وہاں سے نکال باہر کرتا اور خود اُس کاشانۂ عیش کا مالک بنجاتا۔ ان واقعات نے ہر صحبت میں مشہور کیا کہ جنون اور دیوزادوں سے اُس سے تعلقات ہیں۔ اور یہ اُنھیں کا کام ہے کہ جو کوئی اُس کے دل میں جگہ پاکے اُس کی خوابگاہ تک پہونچ جاتا ہے اُسے اُٹھا کے پھینک دیتے ہیں۔ اپنی بے وفائیوں اور زر پرستیوں پر پردہ ڈالنے کے لیے کیا عجب کہ خود تھیوڈورا ہی نے اس خیال کو پھیلایا ہو۔

اسی اثنا میں اُس نے خواب دیکھا کہ "میں کسی بڑے زبردست شہنشاہ کی ملکہ ہوں اور ساری دنیا پر حکومت کر رہی ہوں"۔ یہ خیال اُس کے دل میں اسقدر جم گیا کہ اُسی خیال کا پلاؤ پکاتی ہوئی قسطنطنیہ میں آئی۔ مگر اس عظمت و سلطنت کی آرزو نے یکایک اُسکا مذاق بدل دیا۔ اور اُس کی زندگی میں اتنا بڑا تغیر ہو گیا کہ گویا وہ کوئی دوسری تھیوڈورا تھی۔ اب بجائے سڑکوں پر مارے مارے پھرنے اور ایک ایک سے آنکھ لڑانے۔ دلوں پر نگاہ ناز کے تیر برسانے۔ اور ہر راہرو کو اسیر گیسو کرنے کے عوض وضع داری اور رکھ رکھاؤ سے رہنے لگی۔ اور پاکدامن بہو بیٹیوں کی سی وضع اختیار کر لی۔ ایک چھوٹے سے مکان میں خاموشی کے ساتھ رہتی تھی۔ اُون کات کات کے پیٹ پالتی تھی۔ اور گویا کسی سے مطلب ہی نہ تھا۔ اگرچہ ساری دنیا جانتی تھی کہ یہ وہی حسن فروش تھیوڈورا ہے۔ جو ہزاروں آدمیوں کا پہلو گرم کر چکی ہے۔ اور اُس کے حالات کسی سے پوشیدہ نہ تھے۔ مگر اس انقلاب مزاج اور اس کایا پلٹ کو دیکھ دیکھ کے ہر شخص حیران و متعجب ہو رہا تھا۔

اِن دنوں جسٹن اول قیصر روم کا بھتیجا جسٹنین قسطنطنیہ میں شہنشاہ کے بعد سب سے بڑا بطریق اور صاحب اثر شخص تھا۔ جو ایک حسین و خوش رو نوجوان تھا۔ اور اپنے

چچا کی طرف سے دولت مشرقی روم کی ساری قلمرو پر حکومت کر رہا تھا۔ اتفاقاً کسی موقع پر تھیوڈورا کے چہرے پر جسٹی نین کی نگاہ پڑ گئی اور دیکھتے ہی شیدا ہو گیا۔

وہ نظر ہی دواع طاقت تھی۔ اگر تھیوڈورا وہی پہلی تھیوڈورا ہوتی تو اس سے عشق کا جھگڑا ابھی دو چار روز کی شہوت رانی پر ختم ہو جاتا۔ مگر اب اُس نے اپنے آپ کو روکا۔ اور جس دولت حسن کو کمال بے پروائی کے ساتھ وہ ہر ذلیل سے ذلیل شخص کی طرف پھینک دیا کرتی تھی اس موقع پر اُسے ذرا روک کے رکھا۔ اور جسٹینین کی آتش شوق بھڑک بھڑک کے خوب تیز ہو گئی۔ آخر تھیوڈورا نے چند روز تک اُسے ہجر و فراق کی تکلیفوں کا مزہ چکھا کے اور اپنے وصل کی قدر و قیمت جتا کے اُس سے تعلق پیدا کر لیا۔ یہ تعلق اگرچہ ناجائز اور غیر مستقل تھا مگر تھیوڈورا نے بڑی ہی عقلمندی اور ہوشیاری سے کام لیا۔ ملنے پر بھی رُکتی۔ اور روز بروز اُس کے دل پر زیادہ قبضہ کرتی جاتی۔ اپنے برتاؤ سے کچھ ایسا خلوص اور ایسی سچی محبت ظاہر کی کہ جسٹی نین کا دل اُس کے ہاتھ میں تھا۔ اور جسٹی نین کی تمام آرزوں اور مسرتوں کا خلاصہ یہ تھا کہ تھیوڈورا مسرور و شادکام ہو اور ملک بھر میں اُس سے زیادہ معزز و محترم اور دولت مند کوئی نہ ہو۔ اُسے یقین ہو گیا کہ میں زندگی کے کسی مرحلے میں بغیر تھیوڈورا کی رفاقت کے کامیاب نہیں ہو سکتا۔ آخر اُس نے اپنے اقتدارات سے مشرقی سلطنت روم کا سارا خزانہ تھیوڈورا کے قدموں پر لا کے ڈال دیا اور دل میں ٹھان لی کہ "میں اِسے مذہبی رسوم و آداب کے ساتھ اپنی بی بی اور اپنی شریک زندگی بناؤں گا۔ مانا کہ یہ کل تک ایک فاحشہ عورت تھی مگر آج تو پاکدامن خاتون اور میرے دل و جان کی مالک ہے"!

مگر دشواری یہ تھی کہ اوّل تو روم کے قانون میں صراحتہً موجود تھا کہ "سینٹ (مجلس حکمرانی) کا کوئی معزز ممبر کسی ایسی عورت کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا جو بے

آبرو ہو۔ یا ادنےٰ درجے کی ہو۔ یا کبھی اسٹیج پر آچکی ہو" اس پر طرہ یہ ہوا کہ موجودہ قیصرۂ روم یعنی اُس کی چچی لوپی قینہ جو اگرچہ خود ایک وحشی قوم کی نسل سے تھی مگر نہایت ہی پاکدامن تھی اُس نے صاف صاف کہدیا کہ میں ایک بازاری کسبی کو اپنی بھتیجی بہو ہرگز نہ بناؤں گی۔ خود جسٹی نین کی ماں وی جی لانشیہ نے باوجودیکہ تھیوڈورا سے حسن وجمال کو بہت ہی پسند کیا مگر اس اندیشہ سے اُسکے بہو بنانے پر وہ بھی راضی نہ ہوتی تھی کہ ایسا نہ ہو یہ مکار حسینہ میرے بھولے بھالے بیٹے کے اخلاق اور اُس کی مسرتوں میں فرق ڈال دے۔ مگر جسٹی نین کو یہی دھن تھی کہ شادی کروں گا تو تھیوڈورا سے۔

اُس نے ماں کی مخالفت کی تو پرواہی نہ کی۔ جو نہایت دلگرفتگی کے ساتھ خاموش ہو رہی۔ چچی کا البتہ اندیشہ تھا اس لیئے کہ وہی وارث تاج دو ہیم تھا اور چچی کے ناراض کرنے میں سلطنت سے محروم ہو جانے کا خوف تھا۔ اِس لیئے خاموشی کے ساتھ اُس کے مرنے کا انتظار کرنے لگا۔ اسی درمیان میں اُس نے اپنے چچا کو سمجھا بجھا کے اور نہایت ہی دانائی سے کام لے کے اِس مضمون کا ایک فرمان جاری کرا دیا کہ "قدیم رسوم کی پابندی کی کسی کو کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اور اس بارے میں جو پُرانے قوانین مروج ہیں منسوخ تصور کیئے جائیں" اِس حکم نے اُن تمام محروم القسمت عورتوں کے گھروں میں گھی کے چراغ جلا دیئے جنھوں نے کسی معزز رکن سلطنت کو اپنے حُسن وجمال پر لُبھا کے اور اُس کے دل پر قابو پا کے اُسے نکاح کرنے پر آمادہ کر لیا تھا مگر قانون کی گرفت سے مجبور تھیں۔ اور کوئی زور نہ چلتا تھا۔ اب انھیں آزادی حاصل تھی کہ جس بڑے سے بڑے امیر سے چاہیں شادی کریں اور خوشیاں منائیں۔ اِس نئے قانون پر عملدرآمد شروع ہی ہوا تھا کہ قیصرہ مرگئی۔ اور جسٹی نین کے لیئے میدان صاف تھا۔ بڑی دھوم دھام اور نہایت ہی تزک واحتشام سے شادی ہوئی۔ اور جسٹی نین کسی پاکدامن دوشیزہ کی طرح

ملائک ذیب تھیوڈورا کو بیاہ لایا۔ اب تھیوڈورا قسطنطنیہ کی ساری معزز بیگموں۔ محترم شاہزادیوں۔ اور قسطنطنیہ کی کل شریف زادیوں کی سرتاج تھی۔ اسی درمیان میں جسٹین قیصر نے جسٹی نین کو باضابطہ طور پر اپنا ولی عہد قرار دیا۔ اور شہنشاہ اور مقتدائے اعظم نے حسب رسوم مروجہ جسٹی نین کو خلعت ارغوانی پہنا کے تاج قیصری اُس کے سر پر رکھا تو دوسرا خلعت و تاج انھیں اپنے معزز و متبرک ہاتھوں سے تھیوڈورا کو بھی پہنانا پڑا جو نہایت ہی تمکنت سے اُس کے برابر کھڑی زبان حال سے کہہ رہی تھی کہ "دیکھو شرافت و پاکدامنی پر حسن یوں فتح پاتا ہے"! مگر یہ عزت و شوکت بھی تھیوڈورا کی نظر میں کچھ زیادہ نہ تھی۔ اصل یہ ہے کہ معمولی قسم کی عزتیں جو رومی آداب سلطنت نے شاہزادیوں نواب زادیوں اور معزز طبقے کی بیگموں کے لیے مقرر کر رکھی تھیں وہ نہ تھیوڈورا ہی کے لیے کافی تھیں اور نہ اُس کے عاشق جسٹی نین کی تمنا و آرزو کی پوری کرنے والی تھیں۔

جسٹی نین کو ولی عہد مقرر ہوئے پورے دو سال بھی نہیں ہوئے تھے کہ شہنشاہ جسٹن اول آغوش لحد کے سپرد کیا گیا اور جسٹی نین نے قیصر روم اور قسطنطنیہ کا شہنشاہ قرار پا کے تاج جہانبانی سر پر رکھا۔ اور تخت پر قدم رکھتے ہی اس نے تھیوڈورا کو بھی اپنے برابر بٹھا کے صاحب تاج و تخت بنایا۔ یوں تو ہر بادشاہ بیگم روم میں ایک خاص شان اور خاص اثر رکھتی آئی تھی مگر تھیوڈورا دستور سابق کے خلاف ایک مستقل شریک سلطنت تسلیم کی گئی۔ اور تمام والیان ممالک کے نام رعایا سے عہد وفاداری لینے کے جو فرمان جاری ہوئے وہ صرف جسٹی نین نہیں بلکہ اُس کے اور تھیوڈورا دونوں کے ساتھ عہد وفاداری کرنے کے بارے میں تھے۔ اور جو برتاؤ ہندوستان میں جہانگیر نے نورجہاں کے ساتھ کیا تھا وہی قسطنطنیہ میں جسٹی نین نے تھیوڈورا کے ساتھ کیا گو کہ تھیوڈورا کو نورجہاں سے کوئی نسبت نہیں ہو سکتی۔ نورجہاں

پاکدامن اور عفیفہ تھی اور تھیوڈورا ایک بازاری عورت اور انتہا درجے کی بدنام فاحشہ مگر تقدیر دونوں کی ملتی جلتی تھی۔ بہر تقدیر جسٹی نین کی سر پر آرائی کے ساتھ ہی مشرقی دولت روم کی ساری رعایا تھیوڈورا کے آگے سجدے میں گر پڑی اور وہی بازاری کسبی جس نے بے شمار خلقت کے سامنے قسطنطنیہ کے تھیٹر میں اسٹیج پر نقالی کی تھی اسی شہر میں متین و سنجیدہ مجسٹریٹوں مقدس و دیندار اسقفوں۔ فتحمند سپہ سالاروں۔ اور اسیر شدہ شاہان ارض سب نے اُسے بلا تامل اپنی ملکہ اور اپنے جان و مال کی مالکہ تسلیم کر لیا۔

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ بے عصمتی عورت کی ساری خوبیوں کو مٹا دیتی ہے۔ اس خیال کے لوگ غالباً اُن مورخوں کے بیان کو بڑے شوق اور بڑی دلچسپی سے سنیں گے جو تھیوڈورا کو ہر بات پر الزام دیتے ہیں۔ اُس کی برائیاں بتانے میں مبالغہ کرتے ہیں۔ اور اُس کے ہنروں کو بھی عیب بنا کے دکھاتے ہیں۔ اِس میں شک نہیں کہ اُسے ہر صحبت میں جوانانہ شہوت پرستی کے الزام دیئے جاتے تھے۔ اور ہر شخص جو اُس کے حسن سے لطف اُٹھا چکا تھا اسے حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور اسی ندامت سے تھیوڈورا کو بھرے دربار میں اہل دربار سے چار آنکھیں کرنے کی جُرات نہ ہوتی۔ خواہ ندامت یا توہین و تحقیر کے ڈر سے جہاں تک بنتا وہ عام مجمعوں میں آنے سے بچتی۔ اور کسی ایسے بڑے دربار میں بلُائی جاتی تو انکار کر دیتی۔ اسی قدر نہیں وہ دارالسلطنت قسطنطنیہ میں رہنے ہی سے بھاگتی۔ اور اُس کا سال کا زیادہ حصہ اُن عالیشان قصروں باغوں کوشکوں اور نزہت گاہوں میں گزرتا جو ہلسپا ہنٹ اور باسفورس میں سمندر کے کنارے بنے ہوئے تھے۔

یہاں اُس کی زندگی عیش و تنعم اور خود آرائی میں بسر ہوتی ہوشیار مشاطائیں اس کا بناؤ سنگھار کرتیں۔ اِس کے چاند سے چہرے کی آب و تاب کو چمکاتیں۔ اور اُس حسن و جمال کی آبیاری کرتیں جس نے جسٹی نین کے دل کو ناتھ میں لے کے ساری دُنیا کو مفتوح

کر لیا تھا۔ حماموں میں نہانہا کے نکھرتی۔ میز پر بیٹھ کے الوان نعمت کا مزہ لیتی۔ عشرت گاہوں میں بیٹھ کے اپنی خواصوں سے ہنستی بولتی۔ اور نرم و نازک مسہریوں پر لیٹ کے جوانی کی نیندیں لیتی۔ اُس کے حضوری اسٹاف میں حسین و خوش سلیقہ خواصیں۔ نازک اندام و خوش رو نوعمر لڑکے۔ اشاروں پر دوڑنے والے خواجہ سرا اور صدہا غلام تھے جن سے جھگڑے بکھیڑے چکانے میں اُسے گھر بیٹھے عدالت و حکمرانی کا مزہ آجاتا۔ اُسکے خلوت کدے کے قریب وہ دیوان خانہ تھا جس میں بڑے بڑے ارکان دولت۔ اُمراء و رئوسا سپہ سالار اور وزراء۔ ترجمان اور مقتدار باریابی و آستان بوسی کی تمنا میں آ کے جمع ہوتے گھنٹوں انتظار کرتے۔ اور امیدواری کی سختیاں برداشت کرنے کے بعد انھیں صرف اتنی اجازت ملتی کہ ادب و تعظیم سے آ کے تھیوڈورا کے قدموں کو بوسہ دیں اور نظر نیچی کیے واپس چلے جائیں۔ اکثر ایسے موقعوں پر یہ منظر دیکھ کے خود اُس کا دل دھڑکنے لگتا کہ وہی امیر جس نے کبھی اُس کے حسن و جمال کے مزے لوٹے تھے اُسے آغوش شوق میں بٹھایا تھا اور اُس کے لب لعلین سے بوسے لیے تھے آج اس بات کو اپنی بڑی اقبالمندی سمجھتا ہے کہ اُس کے قدموں کو چوم سکے۔

تھیوڈورا کو اِس کا اندیشہ لگا رہتا تھا کہ اگر جسٹی نین مر گیا تو میرا کوئی نہ ہوگا اور وہ لوگ جو آج میری پرستش کر رہے ہیں میری تذلیل کے درپے ہو جائیں گے۔ اِس خیال سے اُس نے بے انتہا روپیہ جمع کر لیا۔ تاکہ وقت پڑنے پر کم از کم اتنا تو ہو کہ میں کسی کی محتاج نہ ہوں۔

مگر سب سے بڑی قیامت یہ تھی کہ تھیوڈورا کے دل سے یہ خیال کسی طرح نہ جاتا تھا کہ لوگ مجھے ذلت و حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ یہ خیال بڑھتے بڑھتے جنون اور وہم کے درجے کو پہونچ گیا۔ اُس نے ہزاروں جاسوس مقرر کر رکھے تھے جو محلوں محلوں مارے مارے پھرتے تھے۔ اور گھر گھر کی خبر لیتے۔ اور روز آ کے اُسے خبر

دیتے کہ فلاں شخص نے آپ کی نسبت یہ کلمہ کہا۔ فلاں نے آپ کو یہ الزام دیا۔ فلاں آپ کو یہ کہتا تھا۔ اور فلاں آپ پر یہ حملہ کرتا تھا۔ اس قسم کی صدہا رپورٹیں روز آتیں اور وہ ہر ایک سے بدگمان ہوتی جاتی۔ ایسے لوگوں کو سزا دینے کے سبب جنکی نسبت ایسی مخبریاں ہوتیں اُس نے ایک بڑا بھاری خوفناک اور زمین دوز قید خانہ بنا رکھا تھا جو ایک طلسمی راز تھا۔ اور کسی کو اس کے مفصل حالات معلوم نہ ہو سکے۔ جاسوس جن لوگوں کی نسبت ایسی کوئی مخبری کرتے۔ دو تین روز کے بعد وہ یک بیک گھر سے یا راہ چلنے سے غائب ہو جاتے اور اسی قید خانے میں لا کے ڈال دیے جاتے۔ بغیر کسی تحقیقات کے اور بغیر اس کے کہ کسی عدالت نے فیصلہ کیا ہو یہ لوگ زبردستی چرا لائے جاتے اور اس قید خانے میں بند ہوتے جہاں رحم اور ترس کھانے کے نام سے بھی کوئی آشنا نہ تھا۔ آسمان کبھی کسی کو دیکھنا نصیب ہوتا۔ سورج کی روشنی وہاں تک پہنچ نہ سکتی۔ اور اندھیرے میں روشنی دے کے کوئی بڑی ہی سنگدل اور ظالم عورت آتی جو تمام اسیروں کو کوڑوں سے پٹواتی۔ اُن پر طرح طرح سے عذاب کرتی۔ اور انھیں ہر قسم کی تکلیفیں دیتی۔ زمین کے اندر یہ مظلوم ستم زدہ درد و تکلیف سے چیختے چلاتے۔ دہائیاں دیتے۔ ایک ایک کی خوشامد کرتے۔ مگر کوئی اُن پر ترس نہ کھاتا۔ اور نہ کبھی ان کی آہ و زاری سُنی جاتی۔ غرض یہاں ایسی روح فرسا اور جان گزا تکلیفیں دیجاتیں کہ بہت سے لوگ اسی قید خانے میں تکلیفیں اور اذیتیں اُٹھاتے اُٹھاتے مر گئے۔ اور کسی کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہوئے اور کہاں گئے۔ بعض برگشتہ بخت ناشاد چھوٹ کے بھی آئے تو اس قابل نہ تھے کہ زندگی سے لطف اُٹھائیں یا کسی کو دُنیا میں مُنھ دکھائیں کیونکہ کسی کی ناک غائب تھی۔ کسی کے کان کٹ گئے تھے۔ کسی کی آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ کسی کا اور کوئی عضو کاٹ لیا گیا تھا۔ اور پھر اس کے ساتھ اکثر مخبوط الحواس تھے۔ اور دل و دماغ ٹھکانے نہیں رہے تھے۔ ماسوا اس کے اُن کی تمام دولت و جائداد تباہ کردی

جاتی۔ اور قید خانے سے باہر آنے کے بعد وہ سڑکوں پر مارے مارے پھرتے پڑ رہنے کے لیے کوئی جگہ بھی نہ نصیب ہوتی۔ اور اپنی ناکارگی کی حالت اور تباہی و بربادی سے دنیا کے سامنے تھیوڈورا کے انتقام کا زندہ ثبوت پیش کیا کرتے اُس کے ہاتھ سے سزا یابوں میں عوام ہی نہیں بعضے ارکان سلطنت اور محترم مقتدایان دین بھی تھے۔ ایسے معزز مجرموں کی نسبت قتل وغیرہ سزاؤں کا حکم دیتے وقت تھیوڈورا اپنے معتمد علیہ دار وغۂ قہاری سے کہتی "اگر میرے حکموں کی تعمیل میں تم نے ذرا بھی کمی کی تو میں اُسی خدا کی قسم کھا کے کہتی ہوں جو ہمیشہ زندہ رہے گا کہ تمہاری کھال کھنچوالوں گی"۔ رہائی پانے والوں میں زیادہ تعداد اُن نو عمر لڑکوں کی تھی جنکی نسبت وہ بدگمان ہو گئی ہوتی۔

ہم بیان کر آئے ہیں کہ ایشیائے کوچک میں تھیوڈورا ایک لڑکا جن کے کسی اپنے منظور نظر آشنا کے پاس چھوڑ آئی تھی۔ اُس لڑکے کو اُس شخص نے بڑی حفاظت سے پالا۔ اِس راز کو اُس سے مخفی رکھا کہ اُس کی ماں تھیوڈورا ہے۔ جب اُسے یہ خبر پہونچی کہ اب تھیوڈورا قیصرۂ روم اور شہنشاہ قسطنطنیہ کی شریک زندگی و شریک سلطنت ہے تو اس خوف سے ایسا نہ ہو کہ ماں کی مامتا جوش مارے اور اِس لڑکے کو زبردستی چھنوا لے اُس نے اس بچہ کو ارض عرب میں بھیج دیا۔ جہاں کی آزاد سرزمین روم و فارس دونوں کی دست رس سے باہر تھی۔ اس کے بعد جب وہ شخص بیمار ہوا اور جانا کہ میرا یہی مرض مرض موت ہے تو اُس نو عمر لڑکے کو عرب سے بُلوایا۔ اور مرنے سے چند ساعت پہلے بستر مرگ پر پڑے پڑے اُسے بتایا کہ "تمہاری ماں اِس وقت دُنیا کی سب سے بڑی ملکہ اور قسطنطنیہ کی شہنشاہ بیگم تھیوڈورا ہے"۔ اِس راز کے کھلتے ہی سادہ مزاج لڑکے کے دل میں خدا جانے کامیابی و مقصد وری اور دولت مندی و حکومت کی کیسی کیسی آرزوئیں پیدا ہو گئیں کہ باپ کو

آخوش لمحے کے سپرد کرتے ہی قسطنطنیہ کی راہ لی - اور قیصرہ کے محل کے پھاٹک پر پہونچ کے اپنے آنے کی خبر کرائی - تھیوڈورا یہ سنتے ہی چونک پڑی اور دابگی دعرض بیگیا کو حکم دیا کہ اُسے قدر و منزلت سے اندر لے آؤ - لڑکا خوش خوش اندر گیا - ماں کے تخت کے سامنے ادب سے زمین بوس ہوا - ماں نے اُس پر سر سے پاؤں تک ایک نظر ڈالی - اور پھر اس کے بعد پتہ نہ لگا کہ وہ کہاں گیا اور کیا ہو گیا - تھیوڈورا کی زندگی ہی نہیں اُس کے مرنے کے بعد پھر کسی نے اُس لڑکے کی صورت نہ دیکھی اور یقیناً وہ اُس کے دوزخ میں پہونچ گیا - اُس کے زمانے والے اس سے اسقدر جلے ہوئے تھے کہ اُس کے عقائد اور مذہب پر بھی اعتراض کرتے اور اُسے لامذہب کہتے ہیں - مگر یہ صرف تعصب ہے - وہ دل سے سچی مسیحیہ تھی - اور مسیحیت کی ترقی اور دینی خدمات کی جانب اپنے شوہر کو ہمیشہ متوجہ کرتی رہی - لیکن لامذہب نہونے پر بھی اس میں شک نہیں کہ وہ متکبر حریص طماع اور ظالم تھی - محض ظالم ہونے سے یہ نتیجہ نکالنا کہ وہ مسیحیہ نہ تھی تاریخ عالم کی تغلیط کرنا ہے - وہ تو ایک نفس پرست اور بدطینت ملکہ تھی اچھے اچھے پابند دین اور خدا پرست مسیحیوں نے انتقام لیتے وقت رومی بت پرستوں پر یہودیوں پر مسلمانوں پر جیسے جیسے مظالم کیے ہیں اُنسے تھیوڈورا کی سنگدلیاں کچھہ زیادہ بڑھی ہوئی تھیں -

اب بمصداق ؎ عیب او جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو - ہم تھیوڈورا کے بعض محاسن بھی بیان کرتے ہیں - اُس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ شہنشاہ جسٹینین کے ناقابل برداشت غیظ و غضب کو ہمیشہ اعتدال پہ لے آتی تھی - اِس میں شک نہیں ہے کہ اگر وہ نہ ہوتی تو جسٹی نہایت ہی ظالم وجابر اور اُس کے ساتھہ ہی بہت ہی ناکام ونامراد بادشاہ ثابت ہوتا - اور غالباً اِس کو ہر واقف کار تسلیم کرے گا کہ جسٹی نین میں جتنی خوبیاں تھیں وہ اُسکی نہیں بلکہ اصل میں تھیوڈورا کی خوبیاں تھیں - دینداری اور

جرأت وشجاعت کے سارے کاموں میں جسٹی نین کے نام کے ساتھ تھیوڈورا کا نام
یکساں عزت و وقعت کے ساتھ شامل تھا۔ اور یہ ایسی نیکی تھی کہ اس کے دشمن بھی امید
دلاتے ہیں کہ باوجود تمام گناہوں کے شاید وہ اس کی نجات کا ذریعہ ہوسکے۔

ہر شخص کو اپنے گروہ والوں سے زیادہ ہمدردی ہوا کرتی ہے۔ اس لیے
کہ انکی تکلیفوں اور مصیبتوں سے جسقدر وہ واقف ہوتا ہے دوسرا نہیں ہوسکتا چنانچہ
تھیوڈورا کو سب سے زیادہ ہمدردی عصمت فروش و ناکام رنڈیوں سے تھی۔ اس نے
جو سب سے بڑی اور اعلیٰ درجہ کی فیاضانہ تربیت گاہ قایم کی اپنی ان ستم زدہ بہنوں کے
لیے تھی جنھیں کسی مرد کی بے رحمانہ بے شرمی نے بے آبرو کر ڈالا تھا۔ یا جو ہر طرف سے
عاجز آکے رنڈی کا پیشہ اختیار کرنے پر مجبور ہوئی تھیں۔ اس غرض کے لیے باسفورس
کے ایشیائی ساحل کا ایک عالیشان قصر شاہی ایک باعظمت وجبروت خانقاہ بنا دیا
گیا۔ اس کے مصارف نہایت سیرچشمی کے ساتھ سلطنت نے اپنے ذمے لیے
اور اس میں ۵۰۰ ایسی عورتیں لاکے رکھی گئیں جو قسطنطنیہ کی سڑکوں اور وہاں کے
قحبہ خانوں سے سمیٹ لائی گئی تھیں۔ اس امن وامان کے قلعہ اور تقدس و اتقا کے
امن میں یہ سوسائٹی کی ستائی اور مذہب دربار سے مطعون بنا کے نکالی ہوئی عورتیں
خاموشی اور تنہائی کی زندگی بسر کرتیں۔

ان عورتوں کی روم میں یہ حالت ہو رہی تھی کہ اسی طبقہ کی چند بدنصیب عورتیں ہجوم
نامرادی سے گھبرا کے اور زندگی سے عاجز آکے سمندر میں پھاند پڑی تھیں۔
انکی ایسی ناقابل برداشت نامرادی اب اس فیاض مربیہ کی عنایت سے شکر گزاری
اور اصلاح سے بدل گئی۔ اور سچ یہ ہے کہ تھیوڈورا نے اس تربیت گاہ کے ذریعہ
سے ہزاروں عورتوں کو گناہ و عذاب اور ذلت و بے عزتی سے بچا لیا۔

تھیوڈورا کی دانائی و فطانت کا خود جسٹی نین معترف تھا۔ جن عمدہ اور مضبوط قوانین

کو اُس نے جاری کیا اُنھیں وہ نہایت ہی مقدس و محترم ملکہ ہی کی جانب منسوب کرتا ہے اور اس کی نسبت یہ الفاظ زبان پر لاتا ہے کہ "دنیا کے لیے وہ ایک بڑی نعمت و برکت ہے" تھیوڈورا دل کی نہایت ہی مضبوط اور بات کی بہت ہی پکی تھی۔ بڑے بڑے صاحب اثر امراء و وزراء کے مجمعوں میں نہایت آزادی ہوشیاری سے مناسب رائے دیتی۔ اور اکثر خوفناک موقعوں پر اُس سے ایسی غیر معمولی جرأت ظاہر ہوئی کہ بڑے بڑے جوانمرد حیران رہ گئے۔ ایک بار سبز اور نیلے باتے والوں کی برہمی سے قسطنطنیہ میں سخت بلوہ ہوگیا تھا۔ بلوائیوں نے شہر کی عمارتوں میں آگ لگا دی تھی۔ سارے شہر پر شعلے بلند تھے سینٹ صوفیہ کی عالیشان عمارت جو قسطنطین اعظم نے دانائی کی دیوی کی یادگار میں بنائی تھی جل کے خاک کا ڈھیر رہ گئی۔ رعایا شہر چھوڑ کے بھاگنے لگی جسٹی نین بھی اپنے ایک بیرونی قصر میں چلا گیا۔ اور وہاں بھی اطمینان نہ نظر آتا تھا۔ امرائے دربار نے یہ تجویز پیش کی کہ جسٹی نین کو معہ اُس کے محلوں اور حرموں کے جہازوں پر سوار کرا کے کسی دُور کے شہر میں پہونچا دیا جائے۔ اس تجویز کی محرک گو کہ دغابازی و سازش تھی اور اس وقت شہر سے نکلنا تاج و تخت سے جدا ہونا تھا مگر جسٹی نین گھبراہسٹ میں فریب کو نہیں سمجھا اور چلے جانے پر راضی ہوگیا۔ اِس موقع پر تھیوڈورا بہادروں کی طرح اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اور کمال جوانمردی سے بولی "مانا کہ بھاگنے ہی میں جان بچتی ہے مگر میں بھاگنے کو ذلّت و حقارت سمجھتی ہوں۔ موت پیدا ہوتے ہی ہماری قسمت میں لکھ دی گئی ہے۔ مگر جو صاحب تاج ہیں وہ تاج و تخت سے علیحدہ ہو کے زندہ نہیں رہ سکتے۔ میری درگاہ الٰہی میں یہ تمنا ہے کہ کبھی کوئی دن بغیر تاج جہاں بانی اور خلعت ارغوانی کے نہ دیکھوں۔ او قیصر! اگر تم نے بھاگنے ہی کا ارادہ کر لیا ہے تو تمھارے پاس دولت کے خزانے ہیں

اور سامنے دیکھو جہاز بھی کھڑے ہیں۔ جب چاہو اِن پر چلے جا سکتے ہو۔ مگر اس سے ڈرو اور کانپو کہ مبادا زندگی کی ہوس میں تمھیں بدنصیبی کی جلاوطنی اور ذلیل قسم کی موت نہ نصیب ہو جائے باقی رہی ہیں تو میرا شعار تو یہ قدیم الایام کا مقولہ ہے کہ "تخت ہی مبارک مقبرہ ہے!" تھیوڈورا کی اس تقریر نے سارے دربار پر عجیب اثر کیا۔ اور اسی کی اس مضبوطی کا نتیجہ تھا کہ جسٹی نین اپنے دارالسلطنت سے نہیں ہٹا اور اس کو کسی قسم کا آزار نہ پہونچ سکا۔

جسٹی نین کے نکاح میں آنے کے بعد سے تھیوڈورا کی عصمت کا دعویٰ کیا جاتا ہے۔ اور اس میں شک نہیں کہ اب کبھی اس سے کوئی ایسی بدعنوانی نہیں ہوئی جو طشت از بام ہوئی ہو یا جسٹی نین کو اُس کی عفت پر شبہ ہوا ہو۔ لیکن اُس کی اس پاکدامنی میں زیادہ دخل اس کے محض قیدخانے اور اُس کی سختیوں کو تھا دشمن تو کیا معنے سارے شہر میں کسی کی مجال نہ تھی کہ اس کے چال چلن کے خلاف ایک لفظ بھی زبان سے نکال سکے۔ ممکن ہے کہ اس زمانے میں بھی اس کے مخفی عشاق ہوں۔ اس کی پرائوٹ خدمت اور ہر وقت کے کاموں کے لیے دس خوش رُو اور بانکے ترچھے نوجوان تھے۔ جو جلوت و خلوت میں ہمیشہ سامنے رہتے اور اُس کے نہایت ہی منظور نظر تھے۔ لیکن جب خود جسٹی نین کو اُس پر بدگمانی نہیں ہوئی تو اور کسی کو بُری رائے قایم کرنے کا کیا حق ہے؟ اور واقعی وہ دل کی ایسی مضبوط تھی کہ کوئی تعجب کی بات نہیں اگر اُس نے اپنے شوقِ عیش اور بداطواری کی پُرانی عادتوں کو اپنے موجودہ فرائض و مقاصد پر قربان کر دیا ہو؟

اسی اخلاقی پالسی کا اثر تھا کہ اپنی دانائی و قابلیت سے اُس نے جسٹی نین کی محبت کو کبھی گھٹنے نہ دیا۔ اور ہمیشہ اُسے یکساں درجے پر قایم رکھا۔ بلکہ جسٹی نین کو روز بروز قطعی یقین ہوتا جاتا کہ بغیر تھیوڈورا کے میں نہ حکومت کر سکتا ہوں اور

نہ زندہ رہ سکتا ہوں۔ بہر تقدیر جس مٹھی میں قیصر کا دل تھا وہ کبھی ڈھیلی نہ پڑنے پائی۔
کبھی کبھی خفیف سی باتوں پر میاں بی بی میں شکر رنجی بھی ہو جاتی مگر وہ دراصل ملاپ کا مزہ
لینے اور جوش وصل میں تازگی پیدا کرنے کے لیے تھی۔ بعض بے وقوفوں نے اُن
رنجشوں کو دلی عناد خیال کر لیا اور بادشاہ کو تھیوڈورا کے زیادہ مخالف بنا کے
فائدہ اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر یہ کوشش اُن کے حق میں سم قاتل ثابت ہوئی۔
وہی تین روز میں میاں بی بی میں پھر ملاپ ہو گیا اور وہ اپنے کیفر کردار کو
پہونچے۔

شادی کے بعد تھیوڈورا کو سب سے بڑی تمنا اولاد نرینہ کی تھی۔ تاکہ سلطنت
روم اُسی کی نسل میں رہے۔ مگر اس برکت کی صلاحیت کو اپنی ابتدائی بے اعتدالیاں
میں اُس نے خود ہی ہاتھ سے کھو دیا تھا۔ تاہم قدرت نے اُس کے آنسو پونچھے
اور ایک لڑکی پیدا ہوئی۔ مگر اس کی عمر نے وفا نہ کی۔ اور بچپن ہی میں ماں باپ دونوں
کے کلیجوں کو داغ دے کے آغوش اجل میں چلی گئی۔ جسے تھیوڈورا نے اپنے
آنسوؤں میں نہلا کے دفن کیا۔

جوانی کی بے اعتدالیوں نے اُسے اولاد ہی کی برکت سے محروم نہیں رکھا
بلکہ اُس کی صحت بھی اچھی نہ تھی۔ وہ کبھی موٹی اور تیار نہ ہونے پائی۔ ہمیشہ نازنین و
نازک اندام دُبلی پتلی اور چھریری تھی۔ اور اب آخر میں اس کی صحت زیادہ بگڑنے
لگی۔ اُس سے طبیبوں نے یہ علاج بتایا کہ علاقۂ پتھیا کے حماموں میں جا کے نہائے
اور اس نے فوراً اُس سرزمین کا ارادہ کر دیا۔ سفر میں ایک بڑا بھاری جلوس اُس
کے ساتھ تھا۔ اطبا کے علاوہ ایک اسقف سلطنت کا سب سے بڑا خزانچی چند کاؤنٹ
و نواب اور بطریق و امرا تھے۔ اور چار ہزار ملازموں اور خادموں کا باشان و
شوکت گروہ ہمراہ رکاب تھا۔ جس طرف سے ملکۂ عالم کی سواری گزرتی سڑکیں

دو تین روز پہلے سے درست اور صاف کر دی جاتیں۔ اُسکے فروکش ہونے کے لیئے ہر منزل پر ایک قصر شاہی بنا ہوا ملتا۔ جو خاص اُس کے مقیم ہونے کے لیئے تعمیر کیا جاتا۔ جاتے جاتے جب شبینہ میں پہونچی تو وہاں کے گرجوں خانقاہوں اور ہسپتالوں پر اس نے بڑی بڑی فیاضیاں کیں۔ اور عام انعام و اکرام کے ساتھ مذہبی خدمات بجا لانے میں ذرا بھی کوتاہی نہیں کی۔ یہ سب اس اُمید میں تھا کہ گرجوں خانقاہوں اور ہسپتالوں والے اُس کی صحت کے لیئے دعا کریں۔ مگر کسی کی دعا کارگر نہ ہوئی۔ اور فرشتۂ اجل آہی پہونچا۔ چنانچہ شادی کو چوبیسواں اور فرمانروائی کو بائیسواں سال تھا کہ ناگہاں زہرباد ہو گیا۔ جس سے جان بر نہ ہو سکی۔ اور جینی نین کو اُس کے مرنے کا بیحد صدمہ ہُوا +

بوادیقیا اور قارطس ماندوا

انگلستان کی تاریخ کا آغاز اِن دو ملکاؤں کے کارناموں سے ہوتا ہے۔ جنھوں نے اپنی رعایا کو اپنے حسن کے دام گلوگیر میں اسیر کر کے اُن سے جو اور جیسا کام چاہا لے لیا۔ ان میں سے اول الذکر یعنی ملکۂ بُوادیقیا (جس کے نام کا تلفظ انگریزی میں فی الحال بوڈیشیا کیا جاتا ہے) نہایت ہی شریفانہ طرز عمل رکھنے کے باعث دنیا میں سچی شجاعت و حمیت اور اعلیٰ درجہ کی قومی و ملکی محبت کا جوش دکھا گئی۔ اور دوسری یعنی قارطس ماندوا جس کے نام کا تلفظ فی الحال کارٹسمانڈوا کیا جاتا ہے اپنی مذکورہ ہمرتبہ بہن کے خلاف نہایت بے حمیت و بے غیرت اور بے عصمت و بے عفت تھی۔ جو بے وفائی و بے عصمتی کا شرمناک ترین نمونہ دکھا کے اور ابدی بدنامی حاصل کر کے دنیا سے رخصت ہوئی۔ لیکن ہمیں یہ خیال کر کے یہ افسوس آتا ہے کہ پہلی جو اچھی تھی وہ دنیا سے ناکام و نامراد گئی۔ اور دوسری اپنے

ناپاک جرم کی سزا سے بچ جانا درکنار اپنے مقاصد میں کامیاب بامراد ہوئی۔

ملکہ بوادیقیا کی سرگذشت یہ ہے کہ اُس کا شوہر پراسوطاغوس دیراسٹگیس انگلستان سے علاقہ اقینی کا بادشاہ تھا جو علاقہ کہ اب نارفولک کے نام سے ہے۔ اُن دنوں انگلستان میں چونکہ رومیوں کا اثر بڑھ رہا تھا اور وہاں کی قومی قوتیں رومی اسلحہ سے مرعوب ہو ہو کے فنا ہوتی جاتی تھیں اس لیے پراسی طاغوس نے وصیت کر دی کہ میرے مرنے کے بعد میری حکومت وسلطنت کے وارث شہنشاہ روم اور میری بیٹیاں ہوں۔ اس وصیت میں اُس کی یہ مصلحت تھی کہ شہنشاہ روم تو انگلستان میں آ کے میری قلمرو پر قبضہ کرنے سے رہا۔ میری بیٹیاں ہی مالک ہوں گی۔ اور شہنشاہ کے تعلقات کی وجہ سے وہ ہر طرح کی دشواریوں سے محفوظ اور تمام بیرونی حملوں سے مامون ہو جائیں گی۔ اور کسی پاس پڑوس والے فرماں روا یا کسی رومی سپہ سالار کی اتنی جرأت نہ ہو سکے گی کہ میری قلمرو کو نگاہ اُٹھا کے بھی دیکھ سکے۔

لیکن اُس کی امید کے خلاف یہ اُلٹا نتیجہ ظاہر ہوا کہ اُس کی آنکھ بند ہوتے ہی رومی سپہ سالار نے اُس کے شہر اور محل پر قبضہ کر لیا۔ رومی سپاہیوں نے سارے شہر اور محل میں لُٹس مچا دی۔ جو ہاتھ آیا اپنا مال سمجھ کے لوٹ لے گئے۔ اور اسی قدر نہیں بوادیقیا کی نازپروردہ شاہزادیوں کو بھی جو شریک وراثت قرار دی گئی تھیں نہایت بے رحمی کے ساتھ بے آبرو کیا۔ ملکہ بوادیقیا نے اس پر اظہار ناراضی کیا تو اُس غریب کو پکڑ کے سربازار خاص اُس کی رعایا کے سامنے کوڑوں سے مارا۔ اور تحقیر و تذلیل کی کوئی بات اُٹھا نہ رکھی۔

رومی جب لوٹ مار کے اور ہر طرح کی بے حرمتیاں کر کے واپس گئے تو بوادیقیا نے اپنی رعایا کو رومیوں کی مخالفت پر اُبھارا۔ رومیوں نے اس موقع پر کچھ ایسی

بے رحمی اور دغابازی سے کام لیا تھا کہ ساری رعایا طیش میں بھری ہوئی تھی۔ اور جتنے
آدمی تھے اگرچہ جانتے تھے کہ رومیوں سے مقابلہ کرنا جنون اور اُن کے مقابل
ہتھیار اُٹھانا خودکشی ہے۔ اپنی ملکہ کی صدائے فریاد سنتے ہی لڑنے مرنے اور
جان دینے کو اُٹھ کھڑے ہوئے۔ بوادیقیا اُن سب کو اپنے جھنڈے کے
نیچے جمع کرکے اور قومی اسلحہ سے مسلح کرکے بڑے جوش وخروش کے ساتھ مردانہ
وار چلی۔ اور رومیوں کے قلعۂ تمالودُونم پر جو اب کال چسٹر کے نام سے مشہور
ہے دھاوا کر دیا۔ رومیوں نے پوری قوت سے مقابلہ کیا۔ اپنے منجھے ہوئے
اصول جنگ کے مطابق صفیں باندھ کے بڑھے۔ مگر برطانیہ والوں کے پُرجوش
سیلاب کا روکنا دشوار تھا۔ ہزار کوششیں کیں کسی طرح کامیاب نہ ہوئے۔ آخر
شکست کھا کے بھاگے۔ اپنی دغابازی وبے حمیتی کے پاداش میں نہایت
ہی بُودے پن کے ساتھ مارے گئے۔ اور بوادیقیا نے مذکورہ رومی قلعہ
پر قبضہ کر لیا۔

اِس فتح نے اس برطانی ملکہ کا حوصلہ بڑھا دیا۔ فوج درست کرنا شروع کی۔
ملک کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا۔ رومیوں کی شائستگی وتہذیب کو تو اُن کے
ظالمانہ ووحشیانہ حرکات سے پہلے ہی دھبہ لگ گیا تھا اب اُن کی سپہگری وشجاعت
بھی خاک میں مل گئی۔ اور اُن کے نام کو ایسا داغ لگا جو کسی طرح مٹائے نہ مٹتا تھا
آخر زبردست رومی سپہ سالار سویطونیوس جو شمالی انگلستان کی قوتوں کی پامالی
میں مصروف تھا اپنا جرار لشکر لے کے آیا۔ اور بوادیقیا کو اُس کے مقابلہ میں صف
آرا ہونا پڑا۔ اِس زبردست لشکر سے مقابلہ کرنا برطانیوں کی قوت سے باہر تھا
اگرچہ جان پر کھیل کے لڑے۔ اور دیر تک ملکہ کے اشاروں پر جو قلب فوج
میں موجود تھی اور تلوار کو حرکت دے دے کے اُنھیں حوصلہ دلا رہی تھی وہ بڑھ

بڑھ کے اپنے سر کٹواتے رہے مگر آخر کار شکست ہوئی بدحواس و بددل ہو کے بھاگ گئے۔ بہادر ملکہ بوادیقیا کو بھی مجبوراً میدان چھوڑنا پڑا۔ اور اسی میدان پر اُس بہادر ملکہ کے کارناموں کا خاتمہ ہو گیا۔

اُس کے انجام کی نسبت مؤرخین میں اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عین معرکہ کارزار میں بہادری کے ساتھ لڑتی ہوئی ماری گئی۔ اور بعض کا بیان ہے کہ اپنی جان لے کے میدان سے تو نکل آئی تھی مگر ناکامی کی زندگی کو اُس کا شریف نفس نہ گوارا کر سکا۔ گھر آتے ہی زہر کھا کے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیا۔ جو اُن دنوں رومیوں کے نزدیک نہایت ہی شریفانہ اور مبارک موت تھی۔ بوادیقیا کی زندگی کا خاتمہ سنہ ۵۰۱ قبل محمد (سنہ ۶۱ء) میں ہوا۔

قارطس ماندوا دوسری بدکار انگلش ملکہ بھی قریباً اسی زمانے میں یعنی جناب سرور کائنات علیہ السلام کی ولادت سے تقریباً پانسو برس پیشتر یا پہلے صدی عیسوی میں تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ اصلی وارث سلطنت اور مالک تاج و سریر وہی تھی۔ اور اُس کا شوہر وینوطیوس اُس کی طرف سے نیابۃً حکومت کر رہا تھا۔ لیکن اپنی نیک نفسی و شجاعت سے سارے ملک میں ہر دلعزیز ہو گیا تھا۔ کل فوج والے اُس کا دم بھرتے تھے۔ اور ہر سپاہی اُس کے نام پر شیدا تھا۔

مگر خرابی یہ تھی کہ میاں کو رعایا کے خوش رکھنے اور ملک میں عدل و انصاف کرنے کا شوق تھا تو بادشاہ بیگم بی کارطسماندوا کو نفس پرستی اور اپنے دل کی ہوسیں نکالنے کا تھا۔ اُنھیں اپنے عیش و آرام اور شہوت پرستی کے سوا اور کسی بات کی فکر ہی نہ تھی۔ انھیں بے باکانہ شہوت رانیوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بادشاہ کے اسلحہ بردار وبلوقاطوس سے آنکھ لڑ گئی۔ اور دونوں ایک دوسرے کی محبت

دم بھرنے لگے۔ وینوطیوس دبادشاہ کو یہ بات ناگوار گزرنے لگی۔ اور اس بات کی تدبیریں سوچنے لگا کہ کیونکر اپنے رقیب کو زک دے جو بستر عیش کا مالک بن کے اس کی زندگی کو روز بروز زیادہ بدمزہ کرتا جاتا تھا۔

وہ ان منصوبوں کو دل میں سوچتا ہی رہا اور بی بی نے اپنے حقوق و اقتدار شاہی کو عمل میں لا کے اُسے بالکل چھوڑ دیا۔ اور علانیہ ویلوقاطوس کا آغوش گرم کرنے لگی۔ اُس وقت تک برطانیہ والوں نے دین مسیحی نہیں اختیار کیا تھا اپنے قدیم بت پرستی کے مذہب پر تھے۔ اور اُس وقت کے آئین و رسوم کے مطابق شاید عورتوں کو اِس بات کا حق حاصل ہو کہ شوہر کو جب چاہیں چھوڑ دیں اور جس کسی کو پسند کریں اُس سے آشکارا طور پر تعلقات پیدا کریں۔ لیکن جو ہو برطانی لوگوں نے اپنی ملکہ کے اس فعل کو پسند نہیں کیا۔ پہلے اُسے سمجھایا اور روکا اور جب اُس نے کسی طرح نہ مانا تو بغاوت کر دی۔ اور ارادہ کیا کہ قارطس مانڈوا کو تخت سے اُتار کے کسی اور کو اپنا فرماں روا بنالیں۔

رعایا کو برہم و افروختہ دیکھ کے ملکہ نے رومیوں سے مدد مانگی جو طرح طرح کے بہانے اور حیلے پیدا کر کے سارے جزیرے میں اپنی حکومت قائم کرتے جاتے تھے۔ اس سے بہتر اور کون موقع ہو سکتا تھا۔ فوراً زبردست رومی لشکر ملکہ کی کمک کے لیے آپہونچا۔ جس نے آتے ہی تمام سرکش برطانیوں کو مار کے سیدھا کر دیا۔ اور رعایا کے بعد خود ہی سلطنت کے بھی مالک ہو گئے۔

رومیوں کی مدد سے قارطس مانڈوا کو شاید اپنے محبوب آشنا سے ملنے کی آزادی مل گئی ہو۔ مگر سلطنت پھر نہ نصیب ہوئی۔ اور رومیوں کی گرفت ایسی قوی تھی کہ اسی وقت سے اِس پُرانے خاندان حکومت کا خاتمہ ہو گیا۔

عاتکہ زوجہ عبداللہؓ بن ابی بکر صدیقؓ

عشاق عرب میں یوں تو بڑے بڑے مشہور نام موجود ہیں مگر اولیت کا تاج عبداللہ بن ابی بکر کے محترم سر کے ساتھ مخصوص ہے جن کا محبت بھرا چہرہ صبح اسلام سے نمودار ہوتے ہی دُنیا کو نظر آیا تھا۔ عبداللہ ممدوح حضرت ابوبکر صدیق کے دلبند تھے اور اُن خوبرو وصاحب جمال جوانان قریش میں سے تھے جن کی آنکھیں آفتاب اسلام کے طلوع ہوتے وقت تڑکے ہی کھل گئیں چونک کے اُٹھے۔ سچے ہادی برحق کی پُراثر آواز سُن کے خدائے واحد ذوالجلال پر ایمان لائے۔ اور صحابہ کے محترم گروہ میں شامل ہو گئے۔

جس وقت حضرت رسالت (روحی فداہ) نے اعزا اور اہل وطن کے مظالم سے تنگ آ کے اور جان سے ہاتھ دھو کے حرم ربانی کو چھوڑا اور گھر بار کو خیرباد کہی ہے اُسوقت عبداللہ کا عنفوان شباب تھا اور مسین بھیگتی تھیں۔ تین دن جب تک اُن کے پدر بزرگوار اور حضرت رسول خدا صلعم غار ثور میں رہے معمول تھا کہ روز رات کو سب کی آنکھ بچا کے غار میں آتے دونوں بزرگوں کے لیے کھانا لاتے قریش اور اہل مکہ کے حالات اور اُن کے ارادوں سے آنحضرت کو مطلع کرتے اور رات کو یہیں غار میں پڑ رہتے صبح تڑکے پھر مکہ میں واپس چلے جاتے۔ اس کے بعد جب یہ پہلے دونوں داعی الے الحق مہاجر غار سے نکل کے عازم مدینہ ہوئے تو عبداللہ کا دل برابر اُن میں لگا رہا۔ ایک ایک سے جا جا کے خبر پوچھتے کہ ہمارے مظلوم مفرور کہاں ہیں۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن الیقط دیلی نے جو ارض یثرب سے آتا تھا مژدہ سُنایا کہ دونوں بزرگ خیریت کے ساتھ مدینے پہونچ گئے۔ یہ سُنتے ہی عبداللہ بن ابی بکر نے سفر کی تیاریاں کیں اور دو چار ہی روز بعد اُن

بزرگوں سے جا ملے۔

ہجرت کے آغاز میں عبداللہ موصوف جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں ایسے حسین و خوش رُو نوجوان تھے کہ انکی جوانی مسلمانوں کی نظر کے سامنے شباب جنّت کی تصویر لا کے کھڑی کر دیتی۔ اور قاعدہ ہے کہ جس طرح روپیہ روپیے کو کھینچتا ہی حسن بھی حسن کو اپنی طرف کھینچا کرتا ہے چنانچہ اُن کی شادی سعید بن زید کی بہن عاتکہ بنت زید کے ساتھ ہو گئی جو ویسی ہی صاحب حُسن و جمال تھیں جیسے کہ عبداللہ بن ابی بکر تھے۔ جوڑا نہایت ہی مناسب و موزوں تھا۔ اور اِس کا یہ لازمی نتیجہ تھا کہ دونوں میں حد سے زیادہ محبت پیدا ہو گئی۔ چند ہی روز میں وہ بڑھتے بڑھتے عشق کے درجے کو پہونچ گئی۔ جس نے عبداللہ کو ناز آفریں بی بی کے صحبت و ناز برداری کے سوا سارے معاملات زندگی بلکہ دین و دُنیا سے بیخبر کر دیا اور نکاح کے بعد ایک ہی سال کے اندر یہ حالت ہو گئی کہ عبداللہ کو کسی چیز کا ہوش نہ تھا۔

عبداللہ اور حضرت صدیق کے سارے خاندان کا ذریعۂ کسب معیشت تجارت تھی۔ اور شام و یمن کے قافلے جب مدینے میں آتے تو اکثر تاجران مکّہ و مدینہ بغیر دُور و دراز کا سفر کیے گھر بیٹھے مُناسب لین دین کر لیا کرتے۔ اتفاقاً شام کا قافلہ آیا۔ لوگ کاروبار میں مصروف ہوئے۔ اور مال کا مبادلہ مناسب نرخ پر ہونے لگا عبداللہ بن ابی بکر کو اُس کے آنے کی خبر ہوئی۔ اور لین دین کے لیئے گھر سے نکلے۔ مگر گھر سے دو ہی قدم گئے تھے کہ معشوقۂ پری تمثال کی صورت نظر کے سامنے آ گئی۔ اور کہا "اب کون جائے؟ ذرا چل کے پیاری عاتکہ کا جمال جہاں آرا تو دیکھ آؤں" فوراً عاتکہ کے پاس واپس آئے۔ اور معشوقۂ شیریں ادا کی باتوں میں ایسے مصروف ہوئے کہ تجار کا شامی قافلہ لے دے کے چلا گیا اور یہ معشوقۂ پری تمثال کے ناز و نیاز ہی میں پھنسے رہ گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضہ نے اس

بات کو دیکھا مگر خاموش ہو رہے۔ اور خیال کیا کہ عبداللہ نے اگر کاروبار میں غفلت کی تو کچھ اپنا ہی بگاڑا۔ اور کسی کا کیا نقصان ہوا؟ اور یہ تجربہ شاید آیندہ کے لیئے اِن میں احتیاط پیدا کر دے۔

اِس کے چند روز بعد ایک جمعے کو حضرت صدیق نماز جمعہ پڑھ کے گھر میں واپس آئے تو دیکھا کہ صاحبزادے معشوقہ کے پاس بیٹھے ہیں۔ اور اُس کی باتوں میں اِس قدر محو ہیں کہ دین و دنیا کی خبر نہیں۔ پوچھا "عبداللہ! تم نے جمعہ کی نماز بھی پڑھی؟"

عبداللہ نے نشۂ عشق سے چونک کے پوچھا "کیا نماز ہو گئی؟" یہ جواب سنتے ہی حضرت صدیق دم بخود رہ گئے۔ دل میں کہا "عشق نے پہلے تو اِسے فقط دنیا سے بیخود رکھا تھا مگر اب یہ دین کی طرف سے بھی غافل و بے پروا ہے" یہ ایسی بات نہ تھی جس کو حضرت صدیق کا سا سچا حق پرست صحابی ایک گھڑی کے لیئے بھی برداشت کر سکتا۔ فوراً برہمی کے ساتھ کہا "عاتکہ کی اُلفت نے تمھیں تجارت سے غافل کیا اور مَیں نے اُس کی کچھ پروا نہ کی بلکہ ایک کلمہ بھی زبان سے نہ نکالا لیکن اب اِس اُلفت نے تمھیں نماز کی طرف سے غافل کر دیا جو ایک گھڑی کو بھی قابل درگزر نہیں۔ لہذا اِس کی سزا یہ ہے کہ اسی وقت عاتکہ کو طلاق دو!"

پدر بزرگوار کا یہ حکم نہ تھا تیر تھا کہ یکایک دل و جگر دونوں میں ترازو ہو گیا۔ سعادتمند بیٹے تھے عذر و انکار کی مجال نہ تھی۔ اِس کی بھی جرأت نہ ہوئی کہ باپ کے سامنے اُف کا کلمہ زبان سے نکالیں یا آنکھوں سے اشک حسرت کا کوئی قطرہ ٹپکے۔ صبر کی سل سینے پر رکھی۔ بے عذر و حجت معشوقۂ نازنین سے دست بردار ہو کے اُسے طلاق دے دی۔ اور باپ سے چھپ کے کونے میں جا کے رونے لگے

اُدھر غریب عاتکہ بھی جس کے دل میں عبداللہ کے سوا کسی کا خیال نہ آ سکتا تھا جانباز

شوہر سے چھٹنے کے غم میں خون کے آنسو بہاتی ہوئی الگ جا بیٹھی کہ اب عبداللہ سے سروکار ہی نہیں رہا۔

اِس طلاق کے روز قیامت کے بعد جب شام ہوئی تو عبداللہ کی یہ حالت تھی کہ بچھونے پر اس طرح تڑپتے تھے جیسے کوئی انگاروں پر لوٹتا ہو۔ کروٹ پر کروٹ بدلتے اور کسی پہلو قرار نہ آتا۔ بار بار رو رو کے اپنے چند اشعار پڑھتے اور کلیجہ تھام کے رہ جاتے۔ ان شعروں میں سب سے پچھلا شعر یہ تھا۔

فلم ار مثلی طلق الیوم مثلها ولا مثلها فی غیر شیء یطلق

(تو میں نے نہ اپنا سا کوئی عاشق دیکھا ہے کہ اُس کی سی نازنین کو آج طلاق دے دی اور نہ اُس کی سی نازنین کو سوا اس کے اور کسی بات پر طلاق دی جا سکتی ہے) اتفاقاً جس جگہ عبداللہ بیتاب ہو ہو کے یہ اشعار پڑھ رہے تھے اُس کے قریب ہی کے کوٹھے پر ابوبکر صدیق نماز پڑھ رہے تھے۔ بیٹے کی اِس حالت و آہ وزاری نے اُن کے دل پر بڑا اثر کیا۔ بہت ہی متاثر ہوئے۔ اپنے پہلے حکم پر پچھتائے اور فوراً بیٹے کے پاس آ کے کہا "تمھاری یہی حالت ہے تو مجبوری ہے۔ خیر جاؤ عاتکہ سے پھر نکاح کر لو۔" طلاق بائن تھی نہیں اور دولھا دلھن دونوں میں صدمۂ فراق برداشت کرنے کی تاب نہ تھی لہٰذا دوبارہ نکاح میں کوئی دشواری نہیں پیش آئی فوراً نکاح ہو گیا اور خدا نے دلدادہ عاشق و معشوق کو تھوڑی دیر کے لیئے ہجر و فراق کا مزہ چکھا کے پھر ملا دیا اور پھر وہی پہلی سی ناز و نیاز کی پُر لطف زندگی گزرنے لگی۔

اب ایک دن عبداللہ نے جوشِ محبت میں اپنا ایک باغ پیاری معشوقہ عاتکہ کے نام لکھ دیا۔ اور اُس کا معاوضہ یہ قرار دیا کہ "میرے بعد تم جیتی بچنا تو کسی اور سے نکاح نہ کرنا۔" اس شرط کو عاتکہ نے قبول کیا اور دونوں بہت ہی عیش و

کامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ اور گو کہ عبداللہ حضرت رسول خدا صلعم کے ساتھ غزوۂ حنین اور فتح مکہ میں موجود تھے اور بہادری سے لڑے مگر خدا نے دونوں مرتبہ چشم زخم حوادث سے بچایا۔ فتح مکہ کے بعد جب عبداللہ علم رسالت کے ساتھ غزوۂ طائف میں گئے تو زمانے کی بے رحمیوں سے نہ بچ سکے۔ بعض کہتے ہیں کہ کوئی تیر آ کے لگا۔ اور بعض کا بیان ہے کہ کوئی پتھر ایسا لگا کہ سخت زخمی ہوئے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ زخم کاری ہونے پر بھی اچھا ہو گیا۔ مگر اس کا اسقدر اثر باقی رہ گیا تھا کہ زندگی کی بہت ہی کم اُمید تھی اسی اثنا میں آنحضرت صلعم نے سفر آخرت کیا! اتفاقاً آپ کو حبرہ کی دو چادروں کا ایک کفن پہنا کے کسی مصلحت سے اُتار لیا گیا اور دوسرے کفن میں دفن ہوئے۔ عبداللہ نے وہ پہلا کفن لے کے رکھ لیا کہ "یہ کپڑا چونکہ حضرت سرور عالم کے جسم اطہر کو مس کر چکا ہے اس کو میں اپنا کفن بناؤں گا"۔ مگر پھر رائے پلٹ گئی۔ اور کہا "جس کپڑے کو خدا نے اپنے رسول کیلئے نہیں پسند کیا اُسے میں بھی نہیں پسند کرتا"۔ آنحضرت کی وفات کے بعد عبداللہ کے اُس طائف والے زخم نے بہت طول کھینچا جس سے جانبر نہ ہو سکے اور آنحضرت صلعم کی وفات سے چالیس ہی روز بعد سفر آخرت کیا۔

پیارے شوہر کی موت کا عاتکہ کو بیحد صدمہ ہوا۔ انکے مرثیے میں چند شعر کہے جن میں انکی شجاعت کی بھی تعریف کی ہے۔ اور قسم کھائی ہے۔ کہ "اب میری آنکھ ہمیشہ اشکبار رہے گی اور میرا اپنڈا ہمیشہ خاک آلود رہے گا"۔ مگر اُن دنوں اہل عرب کا مذاق قدیم رواج اور شریعت غرا کی اجازت سے ایسا تھا کہ اگر کوئی عورت بیوگی میں خاموش بیٹھنا بھی چاہے تو شرفا و اکابر قوم بیٹھنے نہ دیتے تھے۔ جیسے ہی عاتکہ کا زمانۂ عدت ختم ہوا حضرت عمر نے نکاح کا پیام دیا۔ عاتکہ نے عذر کے طریق سے عبداللہ کی وصیت اور باغ کے ہبہ کر دینے کا حال کہلا بھیجا حضرت عمر نے

اِس بارے میں جا کے حضرت علی سے فتویٰ لیا کہ آپ کی اِس بارے میں کیا رائے ہے؟ اُنھوں نے غور فرما کے یہ فتویٰ دیا کہ عبداللہ کا وہ باغ اُن کے ورثا کو واپس کر دو۔ اور نکاح کر لو۔" یہ فتویٰ سننے کے بعد جب حضرت عمر نے وعدہ کیا کہ باغ کا معاوضہ ادا کرنے کو میں تیار ہوں تو عاتکہ مجبور ہو گئیں۔ پیام کو قبول کر لیا۔ اور حضرت عمر کے ساتھ عقد ہو گیا۔ نکاح کے بعد حضرت علی نے عاتکہ کو اُن کا وہ مرثیہ والا عہد یاد دلایا کہ نہ کبھی میرے آنسو بند ہوں گے اور کبھی پنڈا دُھلواؤں گی۔ اور فرمایا کہ "وہ انسان جو کہے وہی کرے" اِس کے جواب میں عاتکہ حسرت کے ساتھ خاموش ہو رہیں۔ کاش حضرت علی نے دوسرے نکاح سے پہلے یاد دلایا ہوتا۔ حضرت عمر کی شہادت کے عاتکہ کے ساتھ حضرت زبیر بن عوام نے نکاح کیا جب وہ بھی جنگ جمل میں شہید ہو گئے تو حضرت علی نے پیام دیا۔ جس کے جواب میں عاتکہ نے کہلا بھیجا "میں جس سے نکاح کرتی ہوں شہید ہو جاتا ہے اور آپ کے لیے میں اس کو پسند نہیں کرتی"۔ لیکن اس کے بعد جب حضرت امام حسین رضہ نے پیام دیا تو عاتکہ راضی ہو گئیں۔ اور آپ سے اُن کا چوتھا نکاح ہوا۔ پھر جب امام حسین بھی میدان کربلا میں شہید ہوئے تو عبداللہ ابن عمر نے کہا "جسے شہادت کا شوق ہو عاتکہ سے نکاح کر لے"۔ لیکن حضرت عاتکہ ایسی حسین و صاحب جمال تھیں کہ اس کا بھی لوگوں نے خیال نہ کیا۔ اور حضرت امام حسین کے بعد آپ کو مروان نے نکاح کا پیام دیا۔ جس کے جواب میں آپ نے کہلا بھیجا "رسول اللہ صلعم کے گھر کی بہو بننے کے بعد میں کسی خاندان کی بہو نہ بنوں گی"۔ اور اس کے بعد ایسی خاموشی کی زندگی بسر کی کہ پھر تاریخ میں نام نہ سنا گیا۔

عتبہ

خلافت عباسیہ کے آغاز اور بنی عباس کے پہلے خلیفہ ابوالعباس سفاح کے عہد کا واقعہ ہے کہ بصرے میں عبداللہ بن مالک خزاعی نام ایک دولتمند بردہ فروش کے گھر میں آدم فروشی کا بازار لگا ہوا ہے۔ مکان کے ایک حصہ میں صدہا لونڈی غلام ستم زدہ قیدیوں کی طرح بند ہیں۔ اُسی کے قریب ہی ایک مقام پر وہ شائستہ تعلیم یافتہ حسین و نازنین۔ پری جمال و حور خصال۔ لونڈیاں نفیس اور صاف ستھرے فرش پر بیٹھی ہیں جو خدا جانے کن کن ملکوں سے اور کن کن ستم زدہ ماں باپ کے آغوش سے چھین کے لائی گئی ہیں۔ تاکہ شوقین امرائے عرب کے ہاتھ بھاری داموں اور بڑی بڑی قیمتوں پر فروخت کی جائیں۔ اس مکان کے بیرونی حصہ میں ایک کمرہ بڑے تکلف اور امارت کے ساز و سامان سے آراستہ ہے جس میں معزز گاہک آکے آرام سے بیٹھتے۔ اور لونڈی غلاموں کو سامنے بلوا بلوا کے چھانٹتے اور پسند کرتے ہیں۔

انسان فروشی کا یہ بازار خوب گرم ہے۔ اور شرفائے عرب میں سے متعدد نوجوان اور صاحب ثروت امیرزادے بیٹھے لونڈیوں کو چھانٹتے اور پسند کر رہے ہیں۔ کوئی کسی حسینہ کے خط و خال پر غور کرتا ہے۔ کوئی کسی گلرخسار کی تعلیم و قابلیت کا امتحان لے رہا ہے۔ اور عبداللہ بن مالک کے ملازم اُن لونڈیوں کی مدح سرائی اور قدر و حشمت بتانے میں مصروف ہیں۔ اتنے میں ایک عالی مرتبہ خاتون جس کی اداؤں اور حرکات و سکنات سے معشوقیت و محبوبیت اور وضع و لباس سے شوکت و امارت ظاہر ہوتی تھی نہایت ہی بھاری پُر تکلف کپڑے پہنے۔ چہرے پر نقاب ڈالے۔ دلستاں زلفوں کو زرتار خمار میں اور طلائی زیور اور بیش بہا جواہرات

کو ریشمی برقع میں چھپائے۔ ایک اعلیٰ درجے کے سفید خچر پر سوار جس پر زربفت کا زین پوش ہے اور ایک سو مسلح حبشی غلام ہٹو بچو کرتے ہمراہ رکاب ہیں دروازے پر آکے ٹھہری۔ اور خچر سے اُترنے کا قصد کیا۔ اس نے نزاکت و دلربائی کی ایک جان ستان ادا سے زمین پر پاؤں رکھا ہی تھا کہ بردہ فروش عبداللہ بن مالک اپنی سُنہری دستار سنبھالتا ہوا دروازے سے نکلا۔ اور زمین بوس ہو کے دست بستہ کھڑا ہو گیا۔

نازنین (نہایت نغمہ خیز آواز اور شیریں لہجے میں) "میں امیرالمومنین کی صاحبزادی رملہ کی لونڈی عتبہ ہوں اور اُنھیں کی بھیجی ہوئی آئی ہوں"

بردہ فروش: "اُن کا جو حکم ہو سر آنکھوں پر ہے۔ غلام حضور کے حکم کی بجا آوری کے لیے بہ دل و جان حاضر ہے۔ حضور کی رونق افروزی میرے لیے باعث عزت ہے"

عتبہ: "صاحبزادی چاہتی ہیں کہ چند لونڈی غلاموں کو مول لے کے آزاد کریں۔ اسی کام کے لیے مجھے بھیجا ہے۔ کہ دیکھوں تمھارے پاس کون کون غلام یا لونڈیاں زیادہ واجب الرحم ہیں تاکہ اُن کو خرید کے آزاد کر دیا جائے"

بردہ فروش: "حضور اندر قدم رنجہ فرمائیں۔ جتنے لونڈی غلام حاضر ہیں سب پیش کر دیے جائیں گے"

اس جواب پر مطمئن ہو کے عتبہ نازو انداز سے قدم اُٹھاتی ہوئی گھر کے اندر آئی۔ اور خاص کمرے میں جو عالی مرتبہ امرا کے لیے نہایت ہی تکلف سے سجایا گیا تھا حریر کی مسند پر جلوہ افروز ہوئی۔ بردہ فروش ہاتھ باندھ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اُس کے ملازم اور غلام غلاموں اور لونڈیوں کو لا لا کے پیش کرنے لگے۔ جن میں سے چھ سات کو ضعیف و ناتوان، مریض و شکستہ حال دیکھ کے عتبہ نے منہ مانگے داموں پر مول لیا۔ اور یہ کہہ کے اُنھیں آزاد کر دیا کہ "ہماری محترم خاتون

ربیطہ بنت امیر المومنین کو دعائیں دو کہ اُنھوں نے تمھیں آزاد کرایا۔"

یہ کارروائی جاری تھی کہ ایک بدصورت بوڑھا پھٹے پرانے کپڑے پہنے اور حسرت و اندوہ کی مجسم تصویر بنا ہوا ناتوانی کی چال سے ہانپتا عتبہ کے سامنے آکے زمین بوس ہوا۔ پھر سر اُٹھا کے بولا "بی بی آپ پر قربان ہو جاؤں۔ میں ایک لب گور پیر فانی ہوں۔ اتنی طاقت نہیں کہ کسی کی خدمت کروں۔ مناسب جانیئے تو مجھے بھی آزاد کرا دیجئے۔ بڑا ثواب ہوگا۔ اور جب تک جیوں گا دعائیں دوں گا۔"

عتبہ نے اُسے سر سے پاؤں تک دیکھا اور عبداللہ بردہ فروش کی طرف متوجہ ہو کے کہنے لگی۔ اِس کی ناتوانی و کمزوری تو ظاہر ہی ہے۔ مگر صورت سے شریف بھی معلوم ہوتا ہے۔ دیکھتے نہیں ہو کیسی فصیح زبان بولتا ہے؟ اور بات چیت میں کیسا ادب اور کیسی تمیز داری پائی جاتی ہے؟ کیا مناسب نہ ہوگا کہ اسے مول لے کے میں آزاد کر دوں؟"

بردہ فروش۔ (مسکرا کے) "جو حضور کی مرضی ہو۔ ہے تو یہ اسی قابل۔"

عتبہ۔ "تو میں نے اسے بھی لے کے آزاد کیا۔ (اِس بڈھے سے) جاؤ تم آزاد ہو۔ صاحبزادی کو دعا دو جنھوں نے تمھارے بڑھاپے اور تمھاری بیکسی پر ترس کھایا۔"

پیر مرد۔ "خدا حضور کو جیتا رکھے۔ مرتے دم تک یہ احسان نہ بھولے گا۔ مگر غلام کو اتنی اجازت ہو کہ شکر گزاری میں اِن کنول کے پھولوں سے ایسے نازک ہاتھوں کو بوسہ دوں؟"

عتبہ۔ (ندامت آمیز غرورِ حسن کے ساتھ) "تمھیں اس کی اجازت ہے۔" یہ سُنتے ہی اُس بڈھے نے دوڑ کے نہایت ہی گرمجوشی سے کئی بار عتبہ کے ہاتھ چوم لیے اور اپنا یہ شوق پورا کر کے جب وہ چلا تو عبداللہ بردہ فروش کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔

اُسے ہنستے دیکھ کے عتبہ نے متعجب ہو کے پوچھا "تم ہنستے کیا ہو؟ اور بتاؤ اس کی قیمت کیا ہے؟"

عبداللہ: "حضور میں قیمت کیا عرض کروں؟ حضور نے پہچانا بھی کہ یہ کون شخص ہے؟"

عتبہ: "میں کیا جانوں؟ تم ہی جانتے ہو گے کہ یہ کون ہے؟"

عبداللہ: "حضور نے ابوالعتاہیہ شاعر کا نام سُنا ہے؟"

عتبہ: "سنیے کیوں نہیں؟ اُسے کون نہیں جانتا؟ اُس کے بعض اشعار بھی مجھے یاد ہیں"

عبداللہ: "تو یہ وہی شاعر ابوالعتاہیہ ہے"

عتبہ: (نہایت ہی حیرت زدہ ہو کے) "اور یہ غلام کیسے ہو گیا؟ میں نے تو سُنا تھا کہ آزاد اور شریف النسل شخص ہے"

عبداللہ: "جی ہاں تھا تو آزاد ہی مگر حضور کے نازک ہاتھ چومنے کے شوق میں خود ہی میرا غلام بن گیا۔ اور اپنے دل کی حسرت نکال لی"

یہ سُن کے مہ جبین عتبہ اُس سے نہایت ناراض ہوئی۔ اس کی گستاخانہ حرکت پر بہت بگڑی۔ اور اپنے خچر پر سوار ہو کے چلی گئی۔ لیکن ابوالعتاہیہ کے منہ کو خون لگ گیا تھا۔ اُن بوسوں کی لذت زندگی بھر نہ بھولی۔ جب تک زندہ رہا اپنے اشعار میں عتبہ کے رخ زیبا پر اظہار عشق کرتا رہا۔ اور ہمیشہ اُس کا نام لے لے سر دھنا کرتا۔ عتبہ سُن سُن کے اور زیادہ بگڑتی۔ اور جب کچھ نہ زور چلتا تو اپنی بوٹیاں نوچ کے رہ جاتی۔

آخر اس عشقبازی کو ایک مدت گذر گئی سفاح کے بعد ابوجعفر منصور خلیفہ ہوا پھر اس کے بعد مہدی نے تاج خلافت سر پر رکھا مگر ابوالعتاہیہ کا عشق اُسی طرح زوروں پر تھا۔ اور اشعار میں تشبیب اور عتبہ کے عشق کی بیقراری بڑھتی جاتی۔ آخر ایک دن عتبہ بالکل عاجز آ کے مہدی کی خاص محل ماہوش ملکہ خیزران

کے پاس بیٹھ کے رونے اور منہ چھپانے لگی۔ بار بار کہتی کہ "ہائے میری کیسی رسوائی ہو رہی ہے۔ مگر حضور سماعت نہیں فرماتیں!" اتنے میں خود خلیفہ مہدی آ گیا۔ اور عتبہ کو روتے دیکھ کے پوچھا "اے عتبہ! روتی کیوں ہو؟"

عتبہ: "اپنے نصیبوں کو روتی ہوں۔ ابوالعتاہیہ نے آبرو لینے میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھی اور میرا کچھ زور نہیں چلتا۔" یہ سنتے ہی مہدی نے حکم دیا کہ ابوالعتاہیہ کو حاضر کرو۔" اور تھوڑی دیر کے بعد اطلاع ہوئی کہ "ابوالعتاہیہ حاضر ہے!" فوراً باہر نکل آیا۔ اور ابوالعتاہیہ کا سامنا ہوتے ہی عتبہ کے عشق میں اُس کا ایک شعر پڑھ کے پوچھا "عتبہ کے عشق میں یہ تمہیں نے کہا ہے؟" اور جب اُس نے قبول کیا تو پوچھا "تمہیں اُس سے ملنا اور اُس کے پاس بیٹھنا کب نصیب ہوا تھا جو اُس کی ہم صحبتی ظاہر کرتے ہو؟"

ابوالعتاہیہ نے اپنے چند اور شعر پڑھے جن میں صرف اتنا ظاہر کیا تھا کہ مجھے اُس کے پاس پہونچنے کی تمنا ہے۔ وہ اشعار سُن کے مہدی کچھ دیر تک سر جھکا کے سونچتا رہا۔ اور اُس کے دو اور شعر یاد کر کے سنائے جن میں عتبہ کو ایک بادشاہ کی ایک حرم قبول کر کے اُس پر اظہار عشق کیا تھا۔ اور کہا "یہ بھی تو تمہارا ہی کلام ہے؟"

اب ابوالعتاہیہ لاجواب تھا۔ اُسے جوابدہی میں عاجز کر کے مہدی نے حکم دیا کہ شرع میں تہمت لگانے والوں کے لیے جتنے دُرّے مقرر ہیں اُس کے لگائے جائیں۔ فوراً اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ اور ابوالعتاہیہ کوڑے کھا کے کراہتا ہوا ایوانِ شاہی سے نکلا۔ اتفاقاً اُسی حالت میں عتبہ سے اُس سے چار آنکھیں ہو گئیں۔ معشوقۂ پری وش کی صورت دیکھتے ہی ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "مرحبا! مرحبا! آہ تمہاری وجہ سے مہدی نے ایک شخص کو مار ڈالا۔"

اس شعر کو ابوالعتاہیہ نے کچھ ایسے حسرت و اندوہ کے درد بھرے لہجے میں سُنایا تھا کہ عتبہ کے دل پر بڑا اثر ہوا۔ آہ! عورت! تجھے لوگ سنگدل اور بے وفا بتاتے ہیں۔ مگر سچ یہ ہے کہ تجھ سے زیادہ ترس اور رحم کسی کے دل میں نہیں ہے۔ تو مرد کے لیے بے بدل رحمت الٰہی بن کے دنیا میں آئی ہے۔ اور مجسم رحم ہے۔ غرض اب جو عتبہ محل کے اندر گئی تو آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے۔ خیزران کا سامنا ہوا تو پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی۔ اور اُس سے بیان کر دیا کہ ابوالعتاہیہ کو دردوں کے درد سے کراہتے دیکھ کے میرا دل اختیار سے باہر ہو گیا۔ مہدی نے اب کی جو اُسے اس حال میں دیکھا تو خیزران سے پوچھا "یہ عتبہ اب کیوں روتی ہے؟" خیزران نے کہا "اب اس لیے روتی ہے کہ اس کا عاشق ابوالعتاہیہ "بیٹا" مہدی کو اُس کی یہ سادہ مزاجی اور انسانی ہمدردی بھلی معلوم ہوئی کہا "اچھا رو۔ میں ابوالعتاہیہ کو انعام و اکرام سے خوش کر دوں گا۔" پھر حکم دیا کہ اُس دل شکستہ شاعر کو اسی وقت بلا کے پچاس ہزار درہم انعام میں دیے جائیں۔ فوراً بلا کے یہ انعام عطا کیا گیا۔ اور ساتھ ہی اُسے بھی معلوم ہو گیا کہ یہ پری جمال محبوبہ عتبہ کی عنایت ہے۔ اُس نے قصر خلافت کے دروازے ہی پر پچاسوں ہزار درہم لٹا دیے۔ اور خالی ہاتھ گھر گیا۔

مہدی نے یہ واقعہ سُنا تو سخت حیرت ہوئی۔ اُسے بلوا کے پوچھا "تم نے وہ دولت پاتے ہی لٹا کیوں دی؟" ادب کے ساتھ عرض کیا "امیرالمومنین اصل تو یہ ہے کہ غلام جس پری وش پر جان دیتا ہے اُس کو دولت کا ذریعہ نہیں بنانا چاہتا۔" اس جواب کو مہدی نے پسند کیا۔ خوش ہو کے پھر پچاس ہزار درہم عنایت کیے اور قسم دلائی کہ خبردار ان کو نہ لٹانا۔ چنانچہ اُس رقم کو لے کے وہ خوش خوش اپنے گھر گیا۔

اس کے بعد ایک سال جشن نوروز کے موقع پر جس کا رواج عجمیوں کے اثر سے بنی عباس میں ہو گیا تھا ابوالعتاہیہ نے ایک چینی کا نایاب بے بہا مرتبان خلیفۂ مہدی کی خدمت میں پیش کیا۔ اس کے اندر مشک میں بسایا ہوا کپڑا تھا۔ اور اوپر معطر مسالوں کی رنگین روشنائی سے یہ دو شعر لکھے تھے۔

نفسی بشیءٍ من الدنیا معلقۃٌ — اللّٰہ والقائم المہدی یکفیہا

میرا جی دنیا کی ایک چیز میں اُلجھا ہوا ہے جس تمنا کو اللہ اور خلیفۂ قائم مہدی ہی پورا کر سکتے ہیں

انی لایأس منہا ثم یطمعنی — فیہا احتقارک للدنیا وما فیہا

میں اُس سے ملنے سے بالکل مایوس ہوں لیکن پھر بھی یہ دیکھ کے کہ آپ دنیا و فیہا کو حقیر جانتے ہیں میرے دل میں اُس کی ہوس پیدا ہو جاتی ہے۔

ان شعروں نے مہدی کے دل پر ایسا اثر کیا کہ بلا تامل اس بات پر آمادہ ہو گیا کہ عتبہ کو ہاتھ پکڑ کے ابوالعتاہیہ کے حوالے کر دے عتبہ نے جو خلیفہ کا یہ ارادہ دیکھا تو حاضر ہو کے ادب سے عرض کیا " ایسی عزت و حرمت۔ اور ایسی ایسی معزز خدمات خلافت بجا لانے کے بعد لونڈی کی قسمت میں یہ لکھا ہے کہ امیرالمومنین ہاتھ پکڑ کے اُسے ایک کاسہ فروش کے حوالے کر دیں۔ جو فی الحال شعر کہہ کے پیٹ پالتا ہے؟"

ابوالعتاہیہ کا اصلی پیشہ یہی تھا کہ مٹی کے برتن بیچا کرتا۔ اکثر ناموران سلف کے اسی قسم کے پیشے سُنے جاتے ہیں۔ کوئی بزاز تھا۔ کوئی موچی تھا۔ کوئی جولاہہ تھا۔ کوئی حجام تھا۔ اور اسی طرح کے بہت سے پیشے جو آجکل نہایت ہی حقیر و ذلیل تصور کیے جاتے ہیں۔ اگرچہ مذکورۂ بالا واقعہ صاف بتاتا ہے کہ ایک شاہی حرم اور قصر خلافت کی ناز پروردہ صاحب اقتدار خاتون نے کاسہ فروشی کو حقارت کی نظر سے دیکھا مگر وہ اسی حقارت کی نگاہ سے وزرائے سلطنت کو دیکھ سکتی تھی؟

اکثر لوگ اِن بزرگوں کے یہ پیشے سُن کے خیال کرتے ہیں کہ غالباً وہ ویسے ہی حقیر و ذلیل ہوں گے جیسے کہ آجکل اُن کے ہم پیشہ لوگ ہوتے ہیں۔ مگر یہ بہت بڑی غلطی اور نادانی ہے۔ کسی عہد میں کسی پیشہ کے معزز یا ذلیل ہونے کا اندازہ اُسوقت ہو سکتا ہے جب یہ امر بخوبی معلوم ہو کہ اُس عہد میں اُس پیشہ کی کیا حالت اور کیسی عزت تھی۔ حضرت عیسیٰؑ بڑھئی تھے۔ حضرت رسول خدا صلعم ایک تجارت کے کارندے تھے۔ مگر نہ حضرت عیسیٰؑ کے زمانے کا بڑھئی آج کل کا بڑھئی تھا اور نہ حضرت خاتم المرسلین رسول مقبول صلعم کے عہد کے کسی کارخانہ تجارت کا مہتمم آج کل کے کسی دوکاندار کا نوکر تھا۔

عتبہ کے یہ کلمات سُن کے اور اُس کی رضامندی نہ پا کے مہدی نے ابوالعتاہیہ سے صاف کہدیا کہ "عتبہ تو تم کو نہیں مل سکتی۔ لیکن ہم نے حکم دیدیا ہے کہ تمھاری مٹکی نقد سکوں سے بھر دی جائے"۔ یہ حکم سننے کے بعد عتبہ باہر آئی اور دل میں کہا۔ "دیکھوں میرے عشق کا دم بھرنے والا اس انعام کو لے کے خوش ہوتا ہے یا نہیں"۔ وہاں کیا دیکھتی ہے کہ میاں ابوالعتاہیہ خزانچی سے جھگڑ رہے ہیں کہ امیرالمومنین نے درہموں (روپیوں) سے نہیں دیناروں (اشرفیوں) سے مٹکی بھرنے کا حکم دیا ہے۔ یہ دیکھتے ہی ابوالعتاہیہ کے پاس گئی اور بولی "بس تمھارا عشق دیکھ لیا۔ اگر تم عتبہ کے عاشق ہوتے تو چاندی سونے کا امتیاز نہ باقی رہتا"۔

اس کے بعد پھر کبھی اُس کے دل میں عتبہ کے ملنے کی آرزو نہ پیدا ہو سکی مگر اپنی شاعری میں مرتے دم تک اُس پر عشق ظاہر کرتا رہا۔ لوگ کہتے ہیں کہ جس طرح وہ عتبہ پر عاشق تھا ویسے ہی عتبہ بھی اُس کی گرویدہ تھی۔ اور جہاں تک بنتا اُسکے ساتھ سلوک کرتی۔ مگر باوجود اس کے دونوں زندگی بھر وصال اور ہم نشینی کی

لذت سے محروم رہے۔ جس کی زیادہ تر وجہ یہ تھی کہ عتبیہ کا مرتبہ بہت زیادہ تھا۔ اور باوجود لونڈی ہونے کے شریف سمجھی جاتی اور ابو العتاہیہ حسب ونسب کے لحاظ سے گرا ہوا تھا۔

عُمارہ

یہ عہد اولین اسلام اور صحابۂ کرام کے دور کی ایک پاکدامن و پری جمال حسینہ تھی جس کو یہ خاص شرافت حاصل تھی کہ بنی ہاشم کی اور اُن میں سے بھی حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کے گھرانے کی محترم و معزز لونڈی تھی۔ لونڈی کے ساتھ معزز و محترم کا لفظ ہمارے زمانے میں بے جوڑ سا معلوم ہوتا ہے مگر قطع نظر اس کے کہ خاندان نبوت کی غلامی بھی ایک بڑی شرافت و عزت ہے جن دنوں کا حال ہم بیان کر رہے ہیں اُس زمانے میں اکثر صاحب کمال و جمال لونڈیاں فی الحقیقت بہت ہی معزز و محترم اور آزاد بیبیوں سے زیادہ ممتاز و مکرم ہوا کرتی تھیں۔

چنانچہ یہی عمارہ جو حضرت عبداللہ بن جعفر طیار کی محبوبۂ خاص تھی حسن و جمال میں جواب نہ رکھتی تھی، شائستگی و تہذیب اور عصمت و حرمت کے کمال میں بے نظیر و بے ہمتا تھی۔ اور ان سب کمالات کے علاوہ فن موسیقی میں عدیل و بے مثال تھی۔ ایسا پیارا گلا پایا تھا کہ جو کوئی اُس کا نغمۂ دلکش ایک دفعہ سن لیتا زندگی بھر کے لیے اُس کے شمع رخسار کا پروانہ ہو جاتا۔ ان تمام کمالات نے عبداللہ بن جعفر طیار کو اُس کا عاشق شیدا بنا دیا تھا۔ اور یہ حال تھا کہ بے اُس کے کبھی چین نہ پڑتا اور کسی حال پر قرار نہ آتا۔ چنانچہ سفر و حضر میں ساتھ رہتی اور جہاں جاتے اُسے ضرور ساتھ لے لیتے۔ اِس لیے کہ بے اُس کے اُنھیں اپنی زندگی دشوار نظر آتی تھی۔

ایک دفعہ اپنے بعض حقوق حاصل کرنے کے لیے اُنھیں حضرت معویہ سے

ملنے کو دمشق کا سفر کرنا پڑا۔ اس طولانی سفر میں بھی اُنھوں نے عمارہ کو ساتھ لے لیا اور ارض شام کے مرغزاروں کو طے کرتے ہوئے خاص دار الخلافت دمشق میں پہونچے۔ معویہ سے ملے۔ چندروز اُن کے یہاں رہے۔ اور اپنے مقاصد میں کامیاب ہو کے مدینہ طیبہ میں واپس آئے۔

زمانۂ قیام دمشق میں ایک دن یزید اُن سے ملنے کو آیا۔ چونکہ خلیفۂ وقت کا بیٹا اور ولی عہد خلافت تھا اس لیے اُنھوں نے اس کی بڑی خاطر تواضع کی۔ ادب و اخلاق سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اور اُس کی دلچسپی کے لیے عمارہ کو پردے سے باہر لاکے گانا سنوایا۔ یزید صورت دیکھتے ہی عمارہ کی زلف گرہگیر کا اسیر ہو گیا۔ اور جب اُسکا گانا سنا تو ہجوم شوق نے آپے سے باہر کر دیا۔ دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ اس ملائک فریب پری جمال کو اپنے قبضہ میں لائے مگر کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔ اور کلیجہ پر صبر کی سل رکھ کے خاموش ہو رہا۔

حضرت معویہ کی وفات کے بعد جب یزید خلیفہ ہوا تو اُسے ناز آفرین عمارہ پھر یاد آئی۔ اور جو دشواریاں وصال سے مانع تھیں حکومت کے غرور نے اُنھیں اُس کی نظر کے سامنے سے ہٹا دیا۔ رازداران صحبت سے مشورہ کیا کہ وہ عبداللہ بن جعفر طیار کی لونڈی عمارہ کے لیے سخت بیتاب ہوں۔ اور جب یاد آتی ہے دل ہاتھوں سے تھام کے رہ جاتا ہوں۔ بتاؤ کہ اُسے کس تدبیر سے حاصل کروں؟ مشیروں نے کہا۔ "یہ معاملہ نہایت مشکل ہے جعفر طیار کے صاحبزادے کوئی معمولی شخص نہیں ہیں مسلمانوں پر اُن کا جو اثر ہے آپکو معلوم ہے۔ اور آپکے والد اُن کا جس قدر پاس و لحاظ کیا کرتے تھے وہ بھی آپ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ جوش عشق میں آپ سے کوئی بے اعتدالی ہو جائے اور انجام اچھا نہ ہو۔ اس بارے میں خوب غور کر لیجیے۔ اور جو کچھ کیجیے حکمت عملی سے کیجیے تاکہ کسی قسم کی بدنامی نہ آئے"۔

یزید خاموش ہوگیا۔ اور چند روز اسی الجھن میں رہنے کے بعد آخر ایک عراقی شخص کو خلوت میں بلایا جو نہایت ہی چالاک اور مکاری و فریب دہی میں طاق خیال کیا جاتا تھا۔ اس سے اپنے دل کی کیفیت اور اپنی بینوائی و بیقراری کی وجہ بیان کی اور کہا "کوئی ایسی تدبیر کرو کہ حسین پری وش عمارہ مجھے مل جائے"۔ اس نے کہا "کامیابی تو خدا کے ہاتھ ہے مگر میں کوئی تدبیر اُٹھا نہ رکھوں گا۔ آپ مجھ سے یہ نہ پوچھیے کہ کیا کروں گا۔ مگر عنقریب دکھا دوں گا کہ میں نے کیا کیا"۔ یزید نے اِس معاملہ کو اسی پر چھوڑ دیا۔ اور بہت کچھ زر و جواہر اور مال و دولت دے کے رخصت کیا۔

عراقی دوسرے دن ایک دولت مند تاجر بن گیا۔ اور مال و اسباب کا ایک لدا پھندا قافلہ ساتھ لے کے ارض حجاز کی راہ لی۔ قطع منازل کے بعد مدینۂ طیبہ میں داخل ہوا۔ اور عبداللہ بن جعفر طیار کے گھر کے سامنے جو میدان پڑا تھا اُس میں اُتر پڑا۔ عبداللہ نے ایک دولت مند تاجر کے آنے کا حال سُنا تو اخلاقاً اپنا مہمان تصور کر کے اُس سے ملے۔ اُس نے کچھ ایسی باتیں بنائیں۔ اور اِس قدر ادب و تعظیم و اخلاق و تہذیب سے ملا کہ پہلی ہی ملاقات میں ہاشمی شریف زادے کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔ پھر اُس نے بار بار قیمتی اور پسندیدہ تحفے و ہدایا پیش کر کے اُن کے مزاج میں بیحد رسوخ پیدا کر لیا۔ یہاں تک کہ ہر وقت عبداللہ اُسی کی صحبت میں بیٹھے رہتے۔ اور روز بروز اُس کے زیر بار احسان ہونے کے ساتھ اس کے دلی دوست بنتے جاتے۔ یہاں تک کہ ایک بار اُسے بھی عمارہ کا گانا سُنوا دیا۔

عمارہ کی صورت دیکھ کے اور گانا سُن کے وہ بے انتہا محظوظ و مسرور ہوا اُس کے کمالات کا حد سے زیادہ اعتراف کیا۔ اور تعریف کے پل باندھ دیئے

اور کہا "بھلا ایسی حسین نازنین اور ان صفات کی حوروش آپ کے نزدیک کس قیمت کو ملے گی؟" اُس نے کہا "ایسی ناز آفریں حور طلعت کی قیمت سلطنت و خلافت ہے۔" اس پہ ہنس کے عبداللہ نے کہا "معلوم ہوتا ہے کہ میرے خوش کرنے کے لیے آپ تعلّقے باندھ رہے ہیں۔ اور اسے آسمان پر چڑھائے دیتے ہیں۔" یہ سُن کے اُس مصنوعی سوداگر نے کہا "آپ مذاق سمجھتے ہیں۔ مگر میں اصل حقیقت عرض کر رہا ہوں۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک زرپرست تاجر ہوں۔ اور میرا کام ہے کہ پیسہ پیسہ جوڑ کے دولت جمع کروں۔ لیکن اس پر بھی اگر بیچیں تو دس ہزار اشرفیاں دینے کو طیار ہوں۔" عبداللہ نے دل میں خیال کیا کہ یہ مذاق کر رہا ہے۔ اور اس کے ساتھ ہی یہ خیال کیا کہ یہاں اس کے پاس اتنی دولت کہاں سے آجائے گی؟ دلگی دلگی میں ان کی زبان سے نکلا "تو میں نے بیچا!" ساتھ ہی اُس بیٹھے ہوئے تاجر نے کہا "اور میں نے مول لیا!" ابھی تک عبداللہ بن جعفر مذاق ہی سمجھے ہوئے تھے مگر جب وہ "میں نے مول لیا" کہہ کے اُٹھا کر رقم لاکے پیش کر دے تو گھبرا گئے۔ اور کہا "میں مذاق کر رہا تھا۔ آپ اشرفیاں لانے کی زحمت نہ فرمائیں۔ بھلا میں ایسی محبوبہ کو اپنے سے جدا کر سکتا ہوں جس کے سہارے سے جی رہا ہوں؟"

اب اُس مکار حریف صحبت کی صورت نہایت ہی متین ہو گئی اور ذرا سختی سے الفاظ میں کہنے لگا "مولانا یہ تجارت اور معاملت ہے جس میں کوئی کسی کی مروّت نہیں کر سکتا۔ یہ مذاق نہیں ہے کہ آپ نے اس پری وش نازنین کو بیچا اور میں نے مول لیا۔ معاہدۂ بیع تکمیل کو پہونچ گیا۔ اور آپ کے لیے چون و چرا کی گنجایش نہیں باقی ہے۔ بدعہدی آپ کی شان سے بعید ہے۔ اور جب آپ ہی سے ایسے حرکات سرزد ہوں گے تو پھر اوروں کا کیا اعتبار باقی رہے گا؟" عبداللہ نے پھر عذر کیا

مگر اُس نے ایک نہ سُنی۔ اور آخر در بر تک رد و قدح کے بعد عبداللہ کو مجبور ہونا پڑا کہ دس ہزار اشرفیاں لے کے نازنین عمارہ کو اس کے حوالے کر دیں۔ مگر جب پیاری عمارہ کو ہاتھ سے کھو کے گھر آئے تو زار و قطار روئے۔ اور کمال بیتابی و بیقراری سے ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگے۔

اُس صنوعی سوداگر کو جیسے ہی یہ سونے کی چڑیا ہاتھ لگی اُسی وقت لے اُڑا۔ اور ایک منزل پر جا کے دم لیا۔ وہاں پڑاؤ ڈالتے ہی اُس نے عمارہ سے کہا "دلے نازنین تم یہ نہ سمجھنا کہ میں نے تمھیں اپنے لیے لیا ہے۔ تم خلیفہ عصر یزید بن معویہ کی ملکہ خاص بننے والی ہو۔ اور اُسی کا شوق پورا کرنے کے لیے میں نے تم کو حاصل کیا۔ لہٰذا تم مجھ سے پردہ کرو۔ اور مجھے اپنا ایک ادنےٰ خادم تصور کرو"۔ غریب عمارہ اس کا کیا جواب دیتی؟ وہ اپنے بس ہی کب تھی؟ اگر اُس کا زور چلتا تو وہ عبداللہ بن جعفر تیار سے جدا ہی کیوں ہوتی جن کے ساتھ اُسے ویسی ہی محبت تھی جیسی کہ عبداللہ کو اُس کے ساتھ تھی۔

اِس کے بعد خوشی خوشی منزلیں طے کر کے وہ دمشق میں داخل ہوا۔ مگر وہاں پہونچتے ہی کیا سنتا ہے کہ یزید مر گیا۔ اور اُس کا بیٹا معویہ سریر خلافت پر بٹھایا گیا جو اس ظالمانہ اور مغضوبہ خلافت سے ناراض ہے۔ یہ سُنتے ہی اُس عراقی شخص کے ہاتھ کے توتے اُڑ گئے۔ دل میں کہا کہ "اب کیا کروں؟" آخر دوسرے دن معویہ بن یزید کے پاس پہونچا اور عمارہ کو پیش کر کے عرض کیا کہ "اس نازنین کو عبداللہ بن جعفر طیار سے چھڑا کے آپ کے والد کے لیے اور خاص اُن کے حکم سے لایا ہوں۔ اب چونکہ اُن کے جانشین آپ ہیں لہٰذا یہ آپ کی نذر ہے"۔ معویہ جو نہایت ہی خدا ترس شخص تھا واقعات سُن کے کانپ گیا۔ اور طیش کے ساتھ بولا "مجھے یہ باتیں بالکل ناپسند ہیں۔ جاؤ دور ہو۔ اور خبردار پھر کبھی مجھے

اپنی صورت نہ دکھانا''

یہ ٹکا سا جواب پاکے عراقی اپنا منہ لیے ہوئے اپنے گھر آیا۔ اور معٰویہ بن یزید سے ڈانٹنے اور ڈرانے کا کچھ ایسا اثر پڑا تھا کہ عمارہ سے کہا ''یزید مر گیا۔ اُن کا بیٹا تمہیں لیتا نہیں۔ اِس لیے اب تم میری ہو لیکن نہیں۔ میں تمہارے قابل نہیں۔ تم مجھے اُسی طرح اپنا نا محرم سمجھتی رہو۔ اب میں تمہیں لے چل کے پھر تمہارے آقا عبداللہ بن جعفر سے ملا دوں گا'' یہ کہہ کے اُس نے پھر جنوب کا سفر شروع کیا۔ اور چند روز میں مدینہ طیبہ پہونچ کے عبداللہ سے ملا۔ اور کہا ''میرا قصور معاف کیجیے۔ میں نہ تاجر ہوں اور نہ کوئی معزز دولت مند۔ اصل میں مجھے یزید بن معٰویہ نے بھیجا تھا کہ جس طرح بنے فریب دے کے عمارہ کو آپ سے حاصل کروں جس خدمت کو آپ ہی خوب جان سکتے ہیں کہ میں نے کیسی خوبی سے انجام دیا۔ اور کس طرح آپ کو بے بس کر کے عمارہ کو آپ سے لے گیا۔ مگر وہاں پہونچا تو یزید مر چکا تھا۔ اُس کے بیٹے نے عمارہ کو قبول نہیں کیا۔ لہذا پھر آپ کے لیے واپس لے آیا ہوں۔ اور آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں نا محرموں کی طرح اِس کے ساتھ رہا۔ اور جیسا پاک و صاف اُسے لے گیا تھا ویسا ہی پاک و صاف لے آیا ہوں'' یہ کہہ کے عمارہ کا ہاتھ اُن کے ہاتھ میں دیا۔ اور کہا ''لیجیے آپ کی لونڈی آپ کو مبارک''

عمارہ کی جدائی کا عبداللہ کو اس قدر غم تھا کہ نیم جان ہو رہے تھے صورت دیکھتے ہی بے اختیار اُس کے گلے سے لپٹ گئے۔ اور دونوں لپٹ کے اس قدر روئے کہ روتے روتے غش آگیا۔ جس منظر کو دیکھ کے معلوم ہوا کہ اُس نے انہیں کتنا بڑا صدمہ پہونچایا تھا۔ اور اب اُن کی کتنی بڑی خدمت کی۔

ہوش میں آنے کے بعد عبداللہ نے اُس عراقی کا شکریہ ادا کیا۔ اس کی نیک

نفسی و پاکبازی کی تعریف کی۔ اور مسرت و احسانمندی کے ساتھ اُسے بہت کچھ انعام دے کے رخصت کیا +

مزنہ

اَکْرِمُوْ عَزِیْزَ قَوْمٍ ذَلَّ

یہ ایک فرمان رسالت ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ "کوئی معزز شخص ذلیل ہو جائے تو اُس کی عزت کرو" انقلابات عالم نے صدہا ایسے واقعات پیش کیے ہیں جو مایۂ عبرت ہیں۔ اور جن کو دیکھ کے بڑے بڑے سنگدل لوگوں کے دل تھرا اُٹھے ہیں۔ مگر افسوس ہمارے دل ایسے سخت ہو گئے ہیں کہ ہمیں کسی چیز سے عبرت نہیں ہوتی۔ ہم خاندان تیموریہ کی ہیبیوں یادگاروں اور اگلے دولت مند گھرانوں کے بہت سے باقیات الصالحات کو حد سے زیادہ تباہی و مفلوک الحالی اور انتہا سے گزری ذلت و مسکنت میں دیکھتے ہیں اور دل نہیں پسیجتا۔

اگر سلطنت اُن کے ہاتھ سے نکل گئی اور سطوت و جبروت نے اُن کا ساتھ چھوڑ دیا تو کیا قوم میں بھی اتنی قوت نہیں ہے کہ اپنی تاریخ کے اِن بوسیدہ و کرم خوردہ تبرکات کو عزت سے نہیں تو حفاظت ہی سے رکھے؟ موجودہ گورنمنٹ کو الزام دینا یا ایسے ستم کشوں کا بار برٹش گورنمنٹ کے سر ڈالنا حماقت ہے۔ کیونکہ سلطنت پر اُن کے حقوق نہیں۔ مگر ہم پر اُن کے حقوق ہیں۔ دراصل یہ ہماری قومی زندگی کی مُورتیں ہیں۔ اور ہماری قومی زندگی ہی فیصلہ کر سکتی ہے کہ ان یادگار مورتوں کو اچھی طرح رکھیں یا بُری طرح۔ سچ یہ ہے کہ ہم میں ایسی نفسی نفسی پڑ گئی ہے کہ قومی زندگی باقی ہی نہیں رہی۔ ورنہ کیا ممکن تھا کہ ہمارے تاجداران سلف کی نسل یوں غارت ہو؟ اور آغوش سلطنت میں پلے ہوؤں کی اولاد یوں دریوزہ گری کرے؟ ہرگز نہیں۔

ہم بدنظمی اور بے اصولی سے ساتھ صدہا فیاضیاں کر رہے ہیں۔ اور کسی ایسے قومی فنڈ کا قائم ہو جانا دشوار نہ تھا کہ ملوک سلف کی نسل عزت سے رکھی جائے۔ اور اسکی اولاد کو اچھی تعلیم و تربیت دے کے سنبھالا جائے مگر اپنے ذاتی اغراض پر قومی مقاصد کو قربان کر دیا ہے۔ اور اپنی نفس پروری کے آگے اس کی مطلق پروا نہیں کرتے کہ ہماری قومی عزت کس طرح خاک میں مل رہی ہے۔ اور ہمارے نامواران سلف کی نسل کا کیا حال ہے۔

مگر ہم ہمیشہ ایسے بے حس نہ تھے۔ عبرت ناک واقعات کا ہم پر اثر ہوتا تھا اور نوعی فلاح اور قومی وقار کو شخصی جذبات پر ہم قربان نہیں کیا کرتے تھے۔

جب بنی امیہ کی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا اُس بدنصیب خاندان کے تمام لوگ چُن چُن کے مار ڈالے گئے۔ نئی خلافت عباسیہ کے دو تاجدار کامرانی و اطمینان سے حکومت کر کے دنیا سے رخصت بھی ہو گئے۔ اور بنی امیہ کا مشرق میں کہیں نام و نشان نہ تھا تو تیسرے عباسی خلیفہ مہدی کے زمانے کا واقعہ ہے کہ اُس کی لونڈی خیزران جسے خاص محل کا رتبہ حاصل تھا۔ سارے حرم کی مالک اور ولیعہد سلطنت کی ماں تھی، ایک دن محل میں شان و شوکت سے بیٹھی حکومت کر رہی تھی کہ ایک لونڈی نے آ کے ادب سے عرض کیا "خدا ملکۂ عالم کو سلامت رکھے ڈیوڑھی پر ایک حسین عورت کھڑی ہے اور باریابی کی امیدوار ہے۔ ہزار پوچھا نہ اپنا نام و نشان بتاتی ہے۔ نہ نسب و خاندان کا پتہ دیتی ہے۔ اور نہ یہ کہتی ہے کہ غرض کیا ہے" عبداللہ بن عباس کی پوتی زینب بنت سلیمان جو خاتونان بنی عباس میں صاحب ذہن رسا مانی جاتی تھیں پاس بیٹھی تھیں۔ خیزران نے اُنسے کہا "تم اس عورت کے بارے میں کیا کہتی ہو؟ آنے دوں یا نہ آنے دوں؟" زینب نے کہا "بلوایئے کوئی مفید ہی بات ہو گی" اس مشورے کے مطابق لونڈی کو حکم دیا گیا کہ "جاؤ بلا لاؤ"

چند منٹ گزرے ہوں گے کہ اُس لونڈی کے ساتھ ایک نہایت ہی حسین وصاحب جمال مگر فلاکت زدہ اور شکستہ حال عورت شریف زادیوں کے انداز سے آئی۔ مگر خیزران کا سامنا ہوتے ہی دروازے کے دونوں پٹوں کے درمیان ہی ٹھٹک کے کھڑی ہو گئی۔ اور وہیں سے کہا: "اے ملکۂ عالم آپ کی خدمت میں آداب عرض کر کے التماس ہے کہ میں آخری تاجدار بنی امیہ مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ ہوں" یہ نام سنتے ہی جیسے خیزران کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اور جھنجھلا کے کہا: "تیرے لیے نہ مرحبا ہے اور نہ سلام کا جواب۔ خدا تجھے غارت کرے وہ گھڑی بھی تجھے یاد ہے جب ابراہیم بن محمد عباسی کی لاش بے گور وکفن پڑی تھی اور بنی عباس کی بوڑھی عورتوں نے تیری خدمت میں حاضر ہو کے اتنی التجا کی تھی کہ اپنے باپ سے سفارش کر کے اُن کے دفن کی اجازت دلوا دے لیکن بجائے ترس کھانے کے تو غصے سے اُنھیں مارنے کو دوڑی۔ اُنھیں گالیاں دیں۔ اور اپنے محل سے نکلوا دیا؛ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اُس نے اپنی نعمت تجھ سے چھین لی۔ اور تجھے ذلیل وخوار کر کے اس دہاڑے کو پہونچا دیا" خیزران کی زبان سے یہ طیش کا جواب اور یہ کلمات غیظ وغضب سن کے مزنہ نے بجائے اس کے کہ ڈرے یا کچھ مرعوب ہو زور سے ایک قہقہہ لگایا۔ اور بولی۔ "دو بہن آپے سے باہر نہ ہو۔ اچھا یہ تو بتاؤ کہ میری اس بدسلوکی پر خدا نے مجھے جو جو ایذائیں دی ہیں اُن میں سے تمھیں کون سی سزا پسند ہے۔ جو میرا ہی سا سلوک تم بھی میرے ساتھ کر رہی ہو؟ تم جو کچھ کہتی ہو سچ ہے خدا کی قسم میں نے یہی کیا تھا۔ اور اُس کی یہ سزا ملی کہ خدا مجھے ذلیل وخوار اور ننگا بھوکا کر کے تمھارے سامنے لایا ہے جو سلوک چاہو کرو۔ اُسوقت تم نے میرے اُس سلوک پر جو صبر وشکر کیا تھا اُس کا انعام تمھیں یہ ملا کہ ملکۂ عالم ہو اور میں تمھارے سامنے عاجز وخوار بنی کھڑی ہوں" اتنا کہتے ہی مزنہ نے کہا: "لو بہن خدا حافظ۔ جاتے ہیں"

اور پیٹھ پھیر کے چلی کہ جھپٹ کے محل سے نکل جائے۔

اُس کی اِن باتوں کا خیزران کے دل پر کچھ ایسا اثر پڑا تھا کہ بے تحاشا دوڑی۔ لپک کے روکا اور چاہا کہ گلے لگائے۔ مگر مزنہ نے دونوں ہاتھوں سے الگ کر کے کہا "میں اس قابل ہی نہیں ہوں کہ تم سی ملکہ مجھے گلے لگائے۔ چیتھڑے لگائے ہوں۔ اور اِن کپڑوں میں ایسی تعفن آ رہی ہے کہ آپ کا دماغ خراب ہو جائے گا۔" یہ سن کے خیزران نے لونڈیوں کو حکم دیا کہ فوراً انھیں حمام میں لیجا کے غسل کراؤ۔ اِسکے بعد پُرتکلف جوڑا پہنا کے اور عطر میں بسا کے لے آؤ۔"

یہ کہہ کے خیزران چلی آئی۔ اور محل کی لونڈیوں نے نہایت تعظیم و تکریم سے مزنہ کو نہلایا۔ کپڑے پہنا کے عطر لگایا۔ اور خوب بنا چنا کے لے آئیں۔ صورت دیکھتے ہی خیزران اس کے سینے سے لپٹ گئی۔ پھر اپنے برابر مسند پر جہاں خود خلیفہ مہدی آ کے بیٹھا کرتا تھا بٹھایا۔ اور پوچھا "دسترخوان بچھواؤں؟" مزنہ نے صاف صاف کہا "آپ پوچھتی کیا ہیں؟ شاید مجھ سے زیادہ بھوکا سارے اِس محل میں کوئی نہ ہوگا" فوراً دسترخوان بچھا۔ قسم قسم کے کھانے لا کے چُن دیے گئے۔ اور مزنہ نے خوب سیر ہو کے کھایا۔ خواصوں نے ہاتھ دھلوائے۔ اور جب ہر طرح کی خاطرداریوں سے فراغت ہوئی تو خیزراں نے کہا "اب بہن بتاؤ تمھارا خبرگیراں کون ہے؟" بولی "خبرگیراں! جو کچھ قرابت ہے اِسی گھر سے ہے۔ اِس کے سوا میں ساری دنیا میں کوئی عزیز قریب نہیں رکھتی!" یہ جواب سُن کے خیزران بولی "تو پھر تم یہیں رہو۔ چلو میں اپنے محل تمھیں دکھاتی ہوں۔ اُن میں سے جو محل پسند آئے لے لو۔ اور اُس میں رہو!"

اِس تجویز کے مطابق خیزران نے اُسے اپنے سارے محل دکھائے۔ جن میں سے ایک خوبصورت وسیع اور پُرفضا قصر اُس نے پسند کیا۔ خیزران نے

وہیں کھڑے کھڑے فرنیچر سے اُسے خوب آراستہ کرایا۔ اور ہر طرح کا سامانِ زندگی فراہم کرا کے کہا۔ "بولی تم یہاں آرام سے رہو سہو۔ اور آج سے مجھے میں تم میں بہناپا ہو گیا۔ جب تک جیتے ہیں ساتھ نہ چھوڑیں گے۔" مزنہ نے شکریہ ادا کیا۔ اور خیزران اُسے وہاں چھوڑ کے اپنے محل میں آئی۔ پھر دل میں کہنے لگی "دیکھی اس عورت کی جو کچھ شان و شوکت تھی تھی لیکن زمانے نے سرد مہری کی۔ اور دل شکستہ ہو گئی۔ اب اس کے دل کی کلفت صرف دولت سے دور ہو سکتی ہے۔" یہ خیال کرتے ہی پانچ لاکھ درہم اُس کے پاس بھجوا دیے۔

خیزران ان کاموں سے فارغ ہو کے بیٹھی ہی تھی کہ اُس کا صاحبِ تاج و تخت شوہر خلیفۂ مہدی آ گیا۔ اور حالات پوچھنے لگا۔ خیزران نے مسکرا کے کہا "آج عجیب واقعہ پیش آیا۔ ایک لونڈی دوڑتی ہوئی آئی۔ اور کہا کہ کوئی عورت اندر آنا چاہتی ہے۔ میں نے بُلوا لیا۔ کیا دیکھتی ہوں کہ ایک جوان اور خوبرو مگر نہایت ہی شکستہ حال عورت ہے۔ آتے ہی اُس نے مجھے ملکۂ عالم کے لقب سے خطاب کر کے سلام کیا اور بتایا کہ مروان بن محمد کی بیٹی مزنہ ہے۔ نام سنتے ہی میں مارے غصہ کے آپے سے باہر ہو گئی۔ خوب گالیاں دیں اور کہا "وہ وقت یاد کر کہ ابراہیم بن محمد کی لاش پڑی تھی۔ اور عباسی گھرانے کی بڑھیوں نے تجھ سے تجہیز و تکفین کی اجازت دلوانے کی درخواست کی تو تو اُنھیں مارنے کو دوڑی۔ خوب ہوا جو خدا نے تجھے اس دہاڑے کو پہونچا دیا۔" یہ سُن کے وہ قہقہہ مار کے ہنسی اور کہا "میں نے بیشک یہی کیا تھا اور خدا سے اس کا بدلہ بھی پایا۔ اب کیا تم بھی خدا سے ایسا ہی بدلہ لینا چاہتی ہو جو میرے ساتھ یہ سلوک کر رہی ہو؟" یہ کہہ کے وہ واپس چلی۔"

خیزران یہیں تک کہنے پائی تھی کہ مہدی کو زیادہ سننے کی تاب نہ رہی بات کاٹ کے بولا "افسوس۔ خدا نے تمھیں ان نعمتوں پر شکر گزار ہونے کا موقع دیا تھا

مگر تم نے وہ موقع ہاتھ سے کھو دیا۔ میرے دل میں تمہاری اس قدر جگہ نہ ہوتی تو قسم کھا کے کہتا ہوں کہ تمہاری اس حرکت پر پھر کبھی زندگی بھر تم سے بات نہ کرتا۔"

خیزران نے کہا "امیرالمومنین! آپ سچ کہتے ہیں تو سہی۔ میں نے یہ سُن کے اُس سے بے انتہا معذرت کی۔ روک کے اُسے حمام میں نہلوایا۔ اچھے کپڑے پہنائے۔ عطر لگایا۔ کھلایا پلایا۔ پھر راضی کر کے اس سے بہناپا کر لیا۔ اور اپنے سارے محل دکھا کے جس محل کو اُس نے پسند کیا اُس کے حوالہ کیا۔ اُسکو آراستہ اور ضروری سامان سے مرتب کر دیا۔ یہ وعدہ کر کے آئی کہ اب زندگی بھر تمہارا ساتھ نہ چھوڑوں گی۔ اور یہاں آتے ہی خرچ کے لیے اُس کے پاس پانچ لاکھ درہم بھیج دیے۔"

یہ سُن کے مہدی بہت خوش ہوا۔ خیزران کے حسن سلوک کی تعریف کی۔ اور اپنے ایک خادم کو بلا کے حکم دیا کہ "اسی وقت جا کے اشرفیوں کے سَو توڑے میری طرف سے بھی اُسے دے آؤ۔ میرا سلام کہو۔ اور کہو کہ تمہاری خدمت کرنے کی وجہ سے جس قدر خوش میں آج ہوا ہوں کبھی زندگی بھر نہ ہوا تھا۔" کہنا "تمہاری قدر و منزلت کرنا امیرالمومنین پر واجب ہو گیا ہے۔ اور اگر تمہارے ناراض ہونے کا اندیشہ نہ ہوتا تو وہ خود تمہارے سلام کو حاضر ہوتے۔" یہ پیام سنتے ہی مزنہ خود چلی آئی۔ ادب سے سلام کیا۔ خیزران کے احسانات بیان کر کے اُس کی محبت و شرافت کی تعریف کی۔ اور بولی "میں بھلا حضور سے کیا ناراض ہوں گی؟ میری حیثیت ہی کیا ہے؟ محل کی لونڈیوں میں سے ایک میں بھی ہوں۔" مہدی اس پر بہت خوش ہوا اور مزنہ اپنے نئے قصر میں واپس گئی۔

اس کے بعد مزنہ ہمیشہ خیزران ہی کے ساتھ رہی۔ یہاں تک کہ مہدی کے سفر آخرت کے بعد اُس کے پہلے بیٹے ہادی کے عہد خلافت میں بھی اُسی سے وابستہ تھی۔ پھر جب خیزران کے دوسرے اقبالمند فرزند ہارون رشید کا عہد شروع ہوا۔ تو رشید بھی

مزنہ کی بڑی خاطرداشت کرتا تھا۔ جو پاس خاطر تمام عباسیہ اور ہاشمیہ خاتونوں کا تھا وہی اُس کا بھی تھا۔ اور خلافت رشید کے اوائل میں جب مزنہ کا انتقال ہوا تو رشید اُس کے جنازے پر زار و قطار رویا۔ اور شاہانہ کروفر سے جنازے کو قبرستان میں لے گیا۔

آہ! خدا کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے میں کبھی ہمارا یہ سلوک دشمنوں کے ساتھ تھا۔ کاش اب اتنا نہیں تو اُس کا عشر عشیر دوستوں ہی کے ساتھ ہوتا۔ مگر نہیں اب ہم نفس کے بندے ہیں۔ صرف اپنے نفس کو دیکھتے ہیں۔ اور نہیں پتہ لگتا کہ ہم میں اور بہائم میں کیا فرق رہ گیا ہے۔

لطیفہ حدّانیہ

ہارون رشید کے زمانے میں قبیلہ حدّان کا ایک شریف عرب اپنی ایک ہی وش اکلوتی بیٹی کو بچپن ہی میں یتیم چھوڑ کے مر گیا۔ یہ معصوم اور الھڑ لڑکی حسن و جمال میں جواب نہ رکھتی تھی اور "لطیفہ" اس کا نام تھا۔ چچا نے اپنے گھر میں رکھ کے ناز و نعم سے پالا۔

اس کے چچا کا واصف نام ایک وگل اندام فرزند لطیفہ کا ہم سن اور ہم مکتب تھا۔ دونوں ایک ساتھ رہتے اور ایک ساتھ پرورش پاتے تھے۔ بچپن سے دونوں موسم بہار کے نوشگفتہ پھول بنے ہوئے تھے۔ اور جوں جوں بڑے ہوتے شگفتگی اور خوبصورتی بھی ترقی کرتی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ دونوں کے عنفوان شباب کا زمانہ آ گیا۔

اس پُر خطر عہد زندگی کے شروع ہوتے ہی یکایک لطیفہ کی زندگی میں ایک تغیر شروع ہوا۔ چہرے کی بشاشت اور شگفتگی رخصت ہو گئی۔ لالۂ نوشگفتہ کے سے

گال مرجھا گئے۔ آنکھوں سے حسرت ٹپکنے لگی۔ چہرہ اُداس ہوگیا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے چمن حسن کے پھولوں پر اوس پڑگئی ہے چچا جو اُسے پھول کی طرح رکھتا تھا نہایت متردد ہوا۔ اِس انقلاب کا سبب پوچھا مگر کچھ پتہ نہ چلا۔ دل کا حال کھلتا ہی نہ تھا۔ آخر سب نے بیماری تجویز کی اور علاج کے لیے اطبا کی طرف رجوع کی گئی مگر چند روز میں تجربہ ہوگیا کہ مرض پر حکیموں کا بھی کچھ زور نہیں چلتا۔

چچی ایک زیرک اور ہوشیار و زمانہ شناس خاتون تھی اُس نے کئی دفعہ دیکھا کہ واصف کے حرکات وسکنات کو لطیفہ حسرت کی آنکھوں سے دیکھتی ہے۔ اور بار بار اُس کی صورت دیکھ کے اندر ہی اندر ایک ٹھنڈی سانس بھر کے رہ جاتی ہے یہ دیکھ کے اُس نے دل میں کہا اِس لڑکی کی یہ ساری بیماری اس وجہ سے تو نہیں ہے اور کوشش کی کہ زیادہ آزمائے تو اِس مرض کے دفعیہ کی کوئی تدبیر نکالے اُس نے یہ بھی دیکھا کہ لڑکی کو بار بار غش سا آجاتا ہے۔ اور بے اختیار بیہوش ہو کے گر پڑتی ہے۔ چچی نے اِس غش کے اوقات پر غور کرنا شروع کیا تو یہ کھلا کہ جب واصف گھر میں اور لطیفہ کی آنکھوں کے سامنے ہوتا ہے تو وہ ہوش میں رہتی ہے۔ اور حسرت واندوہ کے ساتھ اُسکی طرف نگراں پائی جاتی ہے۔ مگر جب واصف کہیں باہر چلا جاتا ہے تو بیہوش اور آپ سے باہر ہوجاتی ہے۔ یہ حالات دیکھ کے اُسے یقین آگیا کہ لطیفہ کا مرض یقیناً مرض عشق ہے۔ شرافت اور عصمت کے جوش سے دل میں دباتی ہے۔ جس سے پُر آتش سوز سینہ میں اس بلا کی اُمس پیدا ہوتی ہے کہ ہوش وحواس نہیں بجا رہتے۔

اس امر کا پورا پورا یقین کرلینے کے بعد اُس خاتون نے اپنے شوہر سے ذکر کیا۔ اس نے کہا اس سے بہتر کیا ہوسکتا ہے؟ غنیمت سمجھو کہ اور کسی کو ابھی خبر نہیں ہے۔ ورنہ یہ کہنے کو ہوتا کہ بیٹی کی شادی اُس نوجوان سے کردی جو پہلے سے

اُس پر عاشق تھا۔ اور ہم قبیلہ میں کسی سے چار آنکھیں کرنے کے قابل نہ رہتے۔ اور میرا تو پہلے سے یہی ارادہ تھا۔ خیر خدا مبارک کرے اور دو ہی چار روز کے اندر قاضی صاحب کو بلوا کے دونوں کا نکاح پڑھوا دو۔" غرض ہنسی خوشی دونوں کی شادی ہوگئی۔ اور لطیفہ کا مرض دُور ہوگیا۔ اُس کے گل رخسار اب پہلے سے زیادہ شگفتہ تھے۔ نرگسین آنکھوں میں بے نظیر رسیلا پن پیدا ہوگیا۔ اور دونوں طالبان وصال عیش و کامرانی کی زندگی بسر کرنے لگے۔ جو سچے عاشقوں کو بہت کم نصیب ہوا کرتی ہے۔ واصف بھی طبیعت کا شوقین واقع ہوا تھا۔ پری جمال نازآفرین دولھن کو تاکید کر دی کہ ہمیشہ آراستہ و پیراستہ رہا کرو۔ بناؤ سنگھار کبھی ناغہ نہ ہو اور اچھا سے اچھا عطر لگاتی رہا کرو۔ لطیفہ نے معشوق شوہر کا یہ مذاق دیکھ کے ایسا پہننا سنورنا اور نکھرنا شروع کیا کہ جنت کی حور اور کوہ قاف کی پری معلوم ہوتی۔ جس نے معشوق شوہر کو عاشق صادق بنا دیا۔

مگر افسوس عشق دنیا میں ناکامی و نامرادی ہی کے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اگر ماں باپ اعزہ و اقارب دوست احباب سب موافق ہوں تو قدرت آپ ہی سامان حسرت و ناکامی پیدا کر دیا کرتی ہے۔ اِس مقصد وری و آرزومندی کی زندگی کو چند ہی برس گزرے تھے کہ واصف بیمار پڑا۔ چند روز میں سُوکھ کے کانٹا ہوگیا۔ اور تھوڑے دنوں بعد عالم شباب میں دنیا سے رخصت ہوگیا۔ اس جوانا مرگ کا صدمہ ماں باپ کو اور قبیلہ کے ادنےٰ و اعلیٰ کو ہوا مگر اُس مایوس تمنا لطیفہ کے دل پر جو کچھ گزری بیان سے باہر ہے۔ عاشق شوہر کی یاد تو اس کو کسی طرح بھولتی ہی نہ تھی۔ مگر اپنے بے مثال حسن پر خاک ڈالنا درکنار اس نے اپنے واسطے زیب و زینت کو ہمیشہ کے لیے لازمی کر لیا۔ صبح و شام شوہر کی یاد میں ماتم کرتی۔ دن بھر آہ جگر دوز کھینچتی۔ اور روز بن ٹھن کے واصف کی قبر پر جا کے گھنٹوں آنسو

بہاتی۔ رخسار کے پھولوں کو آنسوؤں کے گرم پانی سے دھو دھو کے روز کھلاتی۔ اور جب دیکھتی کہ رات زیادہ ہوگئی ہے تو خاک اُڑاتی ہوئی گھر واپس آتی۔ غرض اُس کا یہ معمول تھا کہ بھاری جوڑے پہن کے، سارے زیور سے سج کے، خوب بن ٹھن کے اور عطر لگا کے قبر پر آیا کرتی۔

اسی معمول کے مطابق ایک دن وہ بناؤ چناؤ کر کے تربت جاناں پر بیٹھی تازہ خوشبو کے پھول چڑھا رہی تھی کہ عرب کے مشہور شاعر اور امام عرب کے نامی مورخ اصمعی کا اُدھر سے گزر ہوا۔ ایک اور خوش فکر شاعر اُس کے ساتھ تھا۔ دونوں نے دُور سے جو ایک بنی سنوری نازنین کو ایک قبر پر خاموش بیٹھے دیکھا تو متحیر ہو کے قریب گئے کہ اُسکی عجیب و غریب سوگواری کی داستان سنیں۔ لطیفہ نے جو دو مردوں کو قریب آتے دیکھا چادر اوڑھ کے گھونگھٹ نکال لیا۔ سارا بدن اسمیٹ کے چادر میں ڈھانک لیا۔ اور چہرہ سرنگون کر لیا۔

اصمعی نے جب دیکھا وہ متوجہ ہی نہیں ہوتی تو پوچھا "آخر اس رنج و الم کا کوئی سبب ہے؟ اور گو ہم اجنبی ہیں مگر درد دل کا اظہار خوبصورت چہرے کا دکھانا نہیں ہے کہ آپ کو اس میں تامل ہو۔" جواب میں بجائے اس کے کہ بات کرے اُس نے یہ دو شعر پڑھ دیے۔

فَاِنْ تَسْئَلَانِیْ فِیْمَ حُزْنِیْ فَاِنَّنِیْ   رَہِیْنَۃُ ہٰذَا الْقَبْرِ یَا فِتْیَانِ

اگر تم دونوں یہ پوچھتے ہو کہ میرا غم کیوں ہے تو اے نوجوانو میں اس قبر کے ہاتھ گرو ہوں

وَاِنِّیْ لَاَسْتَحْیِیْہِ وَالتُّرْبُ بَیْنَنَا   کَمَا کُنْتُ اَسْتَحْیِیْہِ حِیْنَ یَرَانِیْ

گو کہ ہمارے اُسکے درمیان مٹی کا ڈھیر حاجب ہے مگر میں اس سے ایسی ہی شرماتی ہوں جس طرح کہ اُس کی آنکھوں کے سامنے شرمایا کرتی تھی۔

اصمعی کہتا ہے کہ اس نازنین کا یہ برجستہ جواب سُن کے ہم دونوں مبہوت و

دشتشدر رہ گئے۔ مگر وہاں زیادہ ٹھہرنا مناسب نہیں معلوم ہوا۔ پاس سے ہٹ آئے اور اُس کی نظر بچا کے قریب ہی درختوں کی آڑ میں چھپ رہے تاکہ دیکھیں یہ نازنین یہاں اکیلی بیٹھ کے کیا کرتی ہے۔ مگر اتنے قریب چھپے تھے کہ اُس کی آواز بخوبی ہمارے کانوں میں آسکتی تھی۔ اب میدان خالی دیکھ کے اُس نے یہ اشعار سوز و گداز کے لہجے میں گانا شروع کیے۔

یا صَاحِبَ القَبرِ یا مَن کانَ یُونِسُنِی ۔۔۔ وَکَانَ یُکثِرُ فِی الدُّنیا مَوَالَاتِی

اے قبر والے! اے وہ جو میرا انیس تھا اور میرے لیے سامان محبت بڑھاتا ہی جاتا ہے۔

قَد زُرتُ قَبرَکَ فِی حُلِیٍّ وَ فِی حُلَلٍ ۔۔۔ کَاَنَّنِی لَستُ مِن اَہلِ المُصِیبَاتِ

میں نے بھاری بھاری جوڑے پہن کے اور گہنے سے آراستہ ہو کے تیری قبر کی زیارت کی جیسے مجھ پر کوئی مصیبت پڑی ہی نہیں۔

لَزِمتُ مَا کُنتَ تَہوَی اَن تَرَاہُ وَمَا ۔۔۔ قَد کُنتَ تَالِفُہُ مِن کُلِّ ہَیئَاتِ

میں نے تو اپنے اوپر فرض کر لیا ہے کہ جیسا تم مجھے دیکھنا چاہتے تھے ویسا ہی دکھاؤں اور جتنی دھجیں تمھیں پسند تھیں تمھارے سامنے رہیں۔

یہ اشعار سُن کے اصمعی پر بے انتہا اثر پڑا۔ وہ اور اس کا رفیق شام تک یہیں چھپے رہے۔ یہاں تک کہ رات ہوئی اور حسرت نصیب لطیفہ قبر سے اُٹھ کے اپنے گھر کی طرف روانہ ہوئی۔ جذبات انسانی نے کے یہ دونوں جاسوس بھی اندھیرے میں اُس کے پیچھے ہو لیے۔ اور جب وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی تو انھوں نے اُس کا پیچھا چھوڑا اور واپس آ کے یہ سرگزشت ہارون رشید سے بیان کی۔

رشید نے سنتے ہی ایک آہ کھینچی اور کہا "واہ! دنیا میں سب نعمتیں مل جاتی ہیں

مگر ایسی وفادار بی بی نہیں نصیب ہو سکتی۔ کاش وہ میری بی بی ہوتی۔ مگر جو کچھ ہو کوشش ضرور کروں گا۔ اور فوراً اپنے عامل حیرہ کو فرمان بھیجا کہ فلاں مقام اور فلاں بستی میں فلاں مکان میں ایک کمسن بیوہ ہے۔ اس کے ولیوں کو دس ہزار درہم میری طرف سے بطریق مہر دو اور اُس حسین لڑکی کو نہایت ہی عزت و آبرو سے میرے پاس بھیجو۔

افسوس رشید نے اس نازنین کی قدردانی تو کی مگر اس کا خیال نہ کیا کہ ایسی محبت و عصمت والی بی بی جس کی ہو تی اُسکی ہوئی۔ پھر اُسکے بعد کسی دوسرے کی نہیں ہو سکتی۔ اور اگر دوسرے کی ہو جائے تو پھر محبت ہی کیا ہے؟ والی بصرہ نے لطیفہ کے چچا کو روپیہ دیا۔ اور بلالحاظ رضامندی حاکمانہ انداز سے لڑکی کو رخصت کر کے بڑے کروفر اور نہایت ہی اہتمام کے ساتھ بغداد کی طرف روانہ کیا۔ اور حسرت نصیب لطیفہ سے وہ پیاری قبر بھی چھڑا دی جو اُس کے جینے کا سہارا تھی۔ جس کے سامنے بن ٹھن کے اور سینکڑوں طرح کے بناؤ کر کے وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالتی اور دُنیا کو اپنے حُسن کی بہار دکھایا کرتی تھی۔ اب شاہی جلوس اُسے ملکۂ عالم بنا کے بغداد کی طرف لیے جاتا تھا مگر اُس کا دل مرحوم محبوب کی قبر ہی سے لپٹا ہوا تھا۔ اسی کشمکش میں مدائن کے کھنڈروں تک پہونچی تھی کہ فراق تربت دلدار کے صدمہ سے ناگہاں روح پرواز کر گئی۔ سب ارمان کرکے رہ گئے۔ اور اصمعی اور رشید دونوں اپنی اس جبری کارروائی پر کف افسوس ملنے لگے۔ اُس کے اس جان دیدینے کا رشید کے دل پر اس قدر اثر پڑ گیا تھا کہ اصمعی کہتا ہے اُس کی یاد زندگی بھر نہ بھولی۔ اور جب یاد آجاتی اُس دردمند خلیفہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے*

بثینہ مجنونۂ جمیل

عاشق و معشوق ہر قوم اور ہر سرزمین میں گزرے ہیں مگر جیسے اور جتنے وارفتہ مزاج نامی عاشق خاک عرب نے پیدا کیے شاید اور کوئی ملک نہ پیدا کرسکا ہوگا ہر ملک کے لٹریچر میں دو چار جانبازان محبت کے نام ضرب المثل اور شاعری کے عنصر قرار پا گئے ہیں۔ مگر عرب میں بیسیوں عاشقوں نے اپنی بیتابیوں اور بیقراریوں کی بدولت ناموری کی شہ نشین پر جگہ پائی اور سب ملکی لٹریچر میں ضرب المثل ہو گئے۔ عرب کا قریب قریب ہر شاعر عاشق تھا۔ اور عاشق بھی نام کا نہیں بلکہ سچا عاشق جسنے کسی معشوقہ کو دل دیا۔ زندگی بھر اُس کے عشق میں سر دُھنتا رہا۔ اور اُسی کے فراق میں روتا ہوا مرا۔ ان عشاق عرب میں سے صرف ایک مجنون عامری کا نام تو عربی شاعری سے نکل کے فارسی اور اردو شاعری میں بھی آگیا۔ لیکن دوسرے دلدادہ عاشقوں کے نام عربی ہی کی ادب میں رہے جسکی وجہ سے ہمارے تمام اہل وطن کو اُنکے حالات کی بہت ہی کم اطلاع ہوسکی۔

ان خالص عربی شاعری کے ناموران عشق میں سے قیس و لُبنیٰ کے سچّے حالات ہم اپنے ایک ناول کے ذریعہ سے قدردانوں کے سامنے پیش کرچکے ہیں۔ اب ایک دوسرے عاشق کے حالات نذر ناظرین کرتے ہیں جس کا نام جمیل تھا۔ اور اُسکی معشوقہ یہی بثینیہ تھی جس کا خوبصورت نام زیب عنوان کیا ہے۔ حُسن کی کرشمہ سازیوں کے سلسلہ میں ہمیں صرف اس نازنین عرب کے واقعات سے تعلق ہے۔ مگر عشق عاشق و معشوق کو ابدالآباد تک کیلئے باہم ایسا وابستہ کردیا کرتا ہے کہ دونوں کا جدا کرنا امکان سے باہر ہوجاتا ہے اور ایک کے حالات دوسرے کے حالات بنجاتے ہیں۔

بثینہ بنت حبا قبیلہ بنی عذرہ سے ایک نہایت معزز خاندان کی لڑکی تھی۔ ہم بتا چکے ہیں اور غالباً ہمارے ناظرین کو یاد بھی ہوگا کہ بنی عذرہ سارے عرب میں حسن و عشق کے لحاظ سے ممتاز تھے۔ اُن کی لڑکیاں جیسی حسین و نازنین ہوتی تھیں ویسے ہی اُنکے لڑکے عاشق مزاج اور تیغ ابرو کے گھائل ہوا کرتے تھے۔ اسی عشق کی چاشنی نے بنی عذرہ کے لڑکوں اور لڑکیوں دونوں میں شاعرانہ مذاق پیدا کر دیا تھا۔ لڑکے جوش و خروش سے عاشقانہ اشعار کہتے ویسے ہی ذوق و شوق سے لڑکیاں اُن اشعار کو سنتی اور سمجھتی تھیں۔ اور ضرورت یا جوش کے وقت میں خود بھی غزلخواں ہو جایا کرتی تھیں۔

غرض بثینہ ایسے زندہ دل قبیلہ کی ایک پاک باطن و عفت شعار لڑکی تھی جس کا زمانہ تابعین کا تھا۔ اسکی شادی نبیہ بن اسود نام ایک شریف نوجوان کے ساتھ ہوگئی تھی۔ اسکے ذاتی صفات یہ تھے کہ قبیلہ کی تمام لڑکیوں سے زیادہ شیرین ادا و صاحب جمال اور حد درجہ کی سخن سنج و فصیح البیان تھی۔ اُس کی آنکھ میں بھی جادو تھا۔ اور زبان میں بھی۔ اور انھیں خوبیوں نے اس کے ہم قوم شاعر جمیل بن عبداللہ کو اسکا عاشق بنا دیا جو عہد بنی امیہ کے اعلیٰ ترین شعرا میں سمجھا جاتا ہے۔

عشق کی شمع دونوں دلوں کے اندر بچپن ہی میں روشن ہوگئی تھی جس سے پتہ چلتا ہے کہ اگر بثینہ کے حسن کی شہرت جمیل کے اشعار سے ہوئی تو جمیل کو بثینہ ہی کے دلستان حسن نے شاعر بنایا۔ آغاز عشق یوں ہوا کہ ایک دن جمیل اپنی اونٹیوں کو چراتا ہوا علاقہ بغیض کی ایک وادی میں سے آیا جہاں پانی بھرا ہوا تھا۔ یہاں پہنچ کے خود ایک مقام پر صاف جگہ دیکھ کے لیٹ گیا۔ اور اونٹیوں کو چھوڑ دیا بعض چرنے لگیں۔ بعض پانی پر جھکیں۔ اور بعض بیٹھ کے جوگالی کرنے لگیں۔ اتفاقاً اس وادی کے کنارے ایک طرف بثینہ کے قبیلے کا پڑاؤ تھا۔ بثینہ اپنی

ایک ہمسن سہیلی کے ساتھ یہاں پانی لینے کو آئی۔ راستہ میں جمیل کی اونٹنیاں بیٹھی تھیں بثینہ نے انھیں کچھ اس طرح شوخی سے ساتھ چھیڑا کہ وہ بھڑک کے بھاگیں۔ اور جمیل نے گالی دے کے کہا "میری اونٹنیوں کو کیوں ستایا؟" بثینہ نے یہ سخت و سست کلمات سنے تو اُسے کہاں تاب تھی، بگڑ کھڑی ہوئی۔ اور ایک کی سو سنا دیں لیکن اُسکے اس بگڑنے اور کوسنے میں کوئی ایسی دلفریب ادا تھی جس نے جمیل کی خرمن جان میں عشق کی آگ لگا دی۔ دل میں کہا۔ ع جواب تلخ می زیبد لب لعل شکر خارا۔ ساتھ ہی خیال آیا کہ کاش میری یہ تمنا پوری ہوتی اور یوں کہ

گالیاں کھائے پر مرنے کے ساتھ گال گورے سے چومتا جائے

بس یہی جمیل کا آغاز عشق تھا جسے وہ خود اپنے اس شعر میں یاد دلاتا ہے۔

واول ما قاد المودۃ بیننا بوادی بغیض یا بثین سباب

(جس ادا نے پہلے پہل ہم دونوں میں محبت پیدا کی وہ اے بثینہ تیرا کوسنا تھا) غالباً یہ وادی القری کا واقعہ ہے جو مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان واقع ہے اور جہاں جمیل کا نشو و نما ہوا تھا۔ اب دل میں عشق کی گرمی پیدا ہوئی تو طبیعت شاعرانہ رنگینیاں اور اُس کے ساتھ ہی سچے جوش کی بیتابیاں دکھانے لگی۔ آخر اپنے درد دل کو اشعار کے ذریعہ سے ظاہر کرنے لگا اور وہ اشعار اہل زبان میں مقبولیت حاصل کرنے لگے اور چند ہی روز میں بثینہ پر اسکا عشق سارے عرب میں مشہور ہو گیا۔ جمیل کے ماں باپ نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو بثینہ کے باپ کو اپنے لڑکے کا پیام دیا۔ وہ اُس کے عشق کی خبریں سُن سُن کے سخت برہم ہو رہا تھا۔ شادی کا پیام سُن کے بگڑ کھڑا ہوا اور کہا "شریف زادیوں کا نکاح اُن بدمعاشوں سے ساتھ نہیں ہو سکتا جو اُن پہ اظہار عشق کر کے انھیں بدنام کرتے ہوں" غرض یہی نہیں ہوا کہ بثینہ کے باپ نے جمیل کا پیام نامنظور کیا بلکہ نبیہ بن اسود نام ایک

اور شخص کے ساتھ اسکا نکاح بھی پڑھا دیا۔ اور سمجھے کہ جھگڑا ہمیشہ کے لیے چک گیا۔ جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

جمیل کے لیے اس سے بڑی کوئی ناکامی نہ ہوسکتی تھی مگر عشق سچا تھا اور کسی شہوانی خواہش نے اُسے بثینہ کے رخ زیبا کا دیوانہ نہیں بنایا تھا۔ اس خبر نے آتش عشق کو اور بھڑکا دیا۔ اور رات دن اسی کوشش میں رہنے لگا کہ کسی طرح بثینہ سے ملے۔ اُس کے حسن عالم آشوب کی زیارت کرے۔ اُسکی پیاری باتیں سُنے۔ اور اُسے اپنے پُرسوز اشعار سُنائے۔ بثینہ کے بھائی حواش نے جب یہ دیکھا کہ بثینہ کی شادی ہوجانے پر بھی جمیل اُس پر اپنا عشق ظاہر کرنے اور اپنے اشعار میں اُسپر تشبیب کرنے سے نہیں باز آتا تو غصہ میں آکے خود بھی شعر کہنا شروع کیے۔ جن میں جمیل کی بہن پر اپنا عشق ظاہر کرتا جمیل نے اسکی بھی کچھ پروا نہ کی۔ لیکن حواش کو چند ہی روز میں نظر آگیا کہ اُس کے اشعار کو تو کوئی سنتا بھی نہیں اور جمیل کے اشعار جمیل کی زبان سے نکلتے ہی ساری دنیا کی زبان پر جاری ہوجاتے ہیں مجبوراً اُسنے اپنی بیہودہ شاعری چھوڑ دی اور سمجھ گیا کہ جمیل کا عشق ایک ایسی بلا ہے جو کسی طرح نہیں ٹل سکتی۔

لیکن بثینہ کے باپ بھائی اور شوہر کا زور ہی کیا چل سکتا تھا جبکہ خود بثینہ دل میں جمیل کے عشق کی قدر کرتی تھی۔ اور باوجود دوسرے کی منکوحہ ہونے کے اُس کو جمیل کے ساتھ ایسا لگاؤ ہوگیا تھا کہ دل کو اُسکی طرف سے پھیرنا اختیار سے باہر تھا۔ ان دنوں جیسا کہ احادیث سے ثابت ہوتا ہے عرب کی مسلمان عورتوں کا معمول تھا کہ اچھے کپڑے پہن کے اور پورا بناؤ سنگھار کر کے عید کے دن عیدگاہوں میں جایا کرتیں۔ اور اپنے عزیزوں اور دوستوں سے بے تکلف ملتیں۔ جمیل کو یہ موقع غنیمت معلوم ہوا عیدگاہ میں جا کے وہ جگہ ڈھونڈھ

نکالی جہاں بثینہ اپنی رازدار بہن ام الحسین کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ جمیل کو دیکھ کے وہ خوش ہوئی۔ اُس سے کھل کے ملی۔ باہم سوال و جواب رہے جن سے ناز و نیاز کے صدہا اسرار نمایاں ہو رہے تھے۔ غرض دیر تک لطف و محبت کی باتیں رہیں۔ اور آخر دونوں ایک دوسرے کی ملاقات سے محظوظ ہو کے اپنے اپنے گھر واپس گئے۔ جمیل نے بے انتہا کوشش کی تھی کہ کوئی ایسی بات نہ ہو جس سے اسکا راز عشق دوسروں پر ظاہر ہو جائے لیکن عشق بھلا چھپنے والی چیز ہے؟ اُن تمام لڑکوں اور لڑکیوں پر جو اس صحبت میں شریک تھے راز فاش ہو گیا جس کو خود جمیل نے محسوس کر کے اپنے شعروں میں ظاہر کیا اور بعد حسرت و یاس کہا کہ "ہائے اب پھر پار سال عید ہی میں ملنا ہوگا"

ان اشعار نے راز عشق کو وطشت ازبام کر دیا۔ اہل قبیلہ نے بثینہ سے کہا کہ "خبردار پھر کبھی اس شریر شخص سے نہ ملنا" مگر اُس کے تو دل کو لگی ہوئی تھی۔ قسم کھا گئی کہ "چاہے کچھ ہو میں تو جمیل سے ضرور ملونگی۔ اور جب سنوں گی کہ دروازے پر آیا ہے بلا تامل باہر نکل آؤں گی" بثینہ کی اس قسم کا حال جمیل کو معلوم ہوا تو بار بار قبیلہ کے پڑاؤ کے آس پاس منڈلانے اور تاؤ دے بھرنے لگا کسی نہ کسی ذریعہ سے اسے اپنے آنے کی خبر کر دیتا وہ بھی کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے گھر سے نکل کے آتی۔ دونوں ایک دوسرے کے دیدار سے خوش ہوتے جہاں تک موقع پاتے بیٹھ کے باتیں کرتے اور رخصت ہو کے اپنے اپنے مقام میں چلے جاتے۔ اِن خبروں کو سن سن کے بثینہ کے اعزہ دانتوں سے انگلیاں کاٹتے مارے غیرت کے زمین میں گڑے جاتے۔ اور مشتعل ہو ہو کے انتقام کے درپے ہوتے۔ یہاں تک نوبت پہونچی کہ سب اس تاک میں تھے کہ کسی جگہ دونوں کو باتیں کرتے دیکھیں اور تلواریں مار کے وہیں ختم کر دیں۔ اتفاقاً ایک دن اُنھیں خبر

لگ گئی کہ آج جمیل بثنیہ سے ملنے کو آنے والا ہے۔ فوراً دس بارہ آدمی تلواریں باندھ باندھ کے گھاٹیوں میں چھپ رہے۔ ادھر سے بثنیہ اور اسکی بہن ام الحسین گھر سے نکل کے ایک وادی میں پہونچیں۔ اُدھر سے جمیل ایک تازہ دم اور صبا رفتار سانڈنی پر سوار آیا۔ اور معشوقہ سے دل کے جوش دل کو ظاہر کرنے لگا جس طرح بلبل پھولوں میں بیٹھ کے چہکتا ہے ویسے ہی آپ نے بثنیہ کا رخ زیبا دیکھتے ہی غزل خوانی شروع کر دی۔ اور شکوہ و شکایت کا دفتر کھل گیا۔ اپنے اشعار خوب گا گا کے سنائے۔ اور آخر ایک شعر سنایا جس کا مطلب یہ تھا کہ "اے بثنیہ تیرے قبیلہ کے جن مردوں نے میرے مار ڈالنے کی نیت کی ہے اور میرا خون حلال کر لیا ہے کاش وہی مجھے پاتے (اور مار ڈالتے!)" یہ شعر پڑھا ہی تھا کہ ایک جانب سے وہ لوگ تلواریں کھینچے ہوئے نمودار ہوئے۔ لڑکیوں کے نازک کلیجے دہل گئے۔ مگر جمیل نے اُن سے پھر ملنے کا وعدہ کیا اور جھٹ پٹ سانڈنی پر سوار ہو کے بھاگا۔ اونٹنی ایسی تیز تھی کہ دشمنوں کے مجمع میں سے ہوکے نکل گئی اور کسی نے اُسکی گرد بھی نہ پائی۔

اس واقعہ کو چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک دن ایک اعرابی بثنیہ کے قبیلہ میں آیا اور لوگوں سے کہا "تمھارے پڑاؤ کے قریب ہی پہاڑیوں میں بیٹھے تین شخصوں کو دیکھا جو معلوم ہوتا ہے کسی گھات میں ہیں۔ غالباً ڈکیتی کرینگے۔ تم لوگوں کو ہوشیار رہنا چاہیئے"۔ قبیلہ والوں نے اُن لوگوں کے حلیے اور اُن کی وضع پوچھی اور اعرابی کے بیان سے سمجھ گئے کہ نہ کوئی ڈاکو ہے نہ کوئی چور بلکہ میاں جمیل ہیں جو غالباً بثنیہ سے ملنے کو آئے ہیں اور ساتھ ہی خیال آیا کہ معلوم ہوتا ہے بثنیہ سے آج ملنے کا وعدہ ہے۔ اسلیئے کوشش کرنی چاہیئے کہ وہ آج گھر سے باہر نہ جانے پائے۔ فوراً بثنیہ کا خیمہ گھیر لیا۔ اور وہ غریب رات بھر اپنے

خیمہ میں قید رہی۔ جمیل نے گھاٹیوں میں رات بھر نہایت ہی بیتابی و بیقراری سے انتظار کیا۔ اور صبح کو ناکام و نامراد اپنے آپ کو کوستا اور معشوقہ بثینہ پر وہم بدگمانی کرتا ہوا واپس گیا کہ معلوم ہوتا ہے اُسنے عہد وفا کو توڑ دیا۔ پچھتاتا ہوا گھر پہونچا تو وہاں کی بعض شریر لڑکیوں نے جنھیں اس ناکامی کی خبر ہو گئی تھی بنانا شروع کیا کہ "واہ۔ اچھی لڑکی پر مرتے ہیں جسے اِن کی پرواہی نہیں۔ ایسی بے وفا پر مرتے تمھیں شرم نہیں آتی؟" اصل یہ ہے کہ جمیل کے قبیلہ والے چاہتے تھے کہ اُس کے دل کو بثینہ سے نفرت ہو جائے اور اکثر لڑکیاں چاہتیں کہ بجائے بثینہ کے اُسے اپنا شیدا بنا لیں۔ ان کی یہ طعن و تشنیع کی باتیں سُن کے جمیل نے چند شعر سنائے جن میں سے آخری شعر کا مطلب یہ تھا کہ "جس سے محبت ہو اُس کے جھُوٹ اور اُسکی بے وفائی میں بھی مزہ ہے!"

اس کے بعد ایک مدت تک دونوں میں فراق رہا۔ لیکن گو کہ جمیل کو کوئی جانان میں جانا دشوار نظر آتا تھا۔ مگر شوق دل سے بھی گیا۔ دونوں میں وقت مقرر ہو گیا۔ اور سواد قبیلہ کے پہاڑوں کی ایک محفوظ گھونگھٹ میں عاشق و معشوق ایک دوسرے سے ملے۔ مگر بثینہ کی ایک لونڈی کو خبر ہو گئی جو کسی بات پر جلی ہوئی تھی۔ فوراً جا کے اُسکے باپ اور بھائی کو خبر کر دی۔ اسی قدر نہیں خود اُن سے سروں پر جا کے کھڑا کر دیا۔ دونوں نے طیش میں آ کے تلواریں کھینچ لیں۔ اور دم سادھ کے آڑ میں کھڑے ہو گئے کہ اُن کی بے عصمتی و بے حیائی کی چند باتیں سُن لیں تو حملہ کریں۔ اتفاقاً جمیل نے آج ہمیشہ کے خلاف دلدار نازآفرین سے کہا "بثینہ! تم میری آہ و زاری سنتی اور میری بیتابی و بیقراری کو دیکھتی ہو مگر اس محبت کی قدر نہیں کرتیں؟" بثینہ نے کہا "آخر کیا کروں؟ اور تمھاری محبت کی کیونکر قدر کروں؟" بولا "جس طرح عورتیں مردوں کی محبت کی قدر کر کے اُن کی

آرزو پوری کیا کرتی ہیں،، یہ جواب سنتے ہی بثینہ چونک سی پڑی۔ حیرت زدہ و مبہوت ہو کے جمیل کی صورت دیکھی اور بولی تمہاری محبت کی یہی غرض ہے؟ مگر میرے دل میں تمہاری طرف سے خدا کی قسم کبھی ایسا خیال بھی نہیں گزرا تھا۔ میں ایک شریف عرب کی بی بی ہوں۔ اور گناہ سے ڈرتی ہوں۔ اگر پھر کبھی تمہاری زبان سے یہ کلمات نکلے تو یاد رکھنا کہ زندگی میں پھر میری صورت نہ دیکھو گے،، یہ جواب سن کے جمیل کا چہرہ خوشی سے چمک اُٹھا۔ مسکرایا۔ اور کہا "بثینہ! یہ تو فقط تمہارا امتحان کرنے کیلئے کہا تھا۔ اور سچ تو یہ ہے کہ اگر تم میری آرزو پوری کرنے کی ذرا بھی حامی بھرتیں تو میرا دل ٹوٹ جاتا۔ دل میں کہتا کہ ایسی معشوقہ مجھے نہیں چاہئے اور تلوار کھینچ کے تمہارا سر اُڑا دیتا۔ لیکن اگر اسکا موقع نہ ملتا تو تمہیں چھوڑ کے چلا جاتا اور پھر کبھی نہ ملتا۔ میری محبت بھی تمہاری طرح پاک ہے جس کو اکثر اپنے اشعار میں ظاہر کر چکا ہوں،، یہ کہہ کے اسی مضمون کے چند اشعار سنائے۔ یہ گفتگو سنتے ہی باپ نے تلوار میان میں کر لی۔ اور بیٹے سے کہا "چلو گھر پلٹ چلیں۔ اب ہمیں ضرورت نہیں کہ ایسے پاکباز عاشق سے عشق میں مزاحم ہوں۔ یا بثینہ کو اُسکے پاس جانے سے روکیں" بیٹے نے بھی باپ کے خیال سے اتفاق کیا۔ اور دونوں واپس گئے۔ اور عاشق و معشوق نے اپنی صحبت وصل بے غل و غش پوری کی۔

لیکن اس پر بھی اہل قبیلہ کے کہنے سننے سے اور نیز تمام قبائل عرب میں بدنام ہونے کے اندیشہ سے پھر بثینہ کو روکا۔ اور اس کو گوارا نہ کر سکے کہ جمیل آزادی کے ساتھ آ کے اُن کی لڑکی سے ملا کرے۔ مگر بثینہ کے دل کو خود ہی ایسا لگاؤ ہو گیا تھا کہ ہزار روک اور بندش ہو وہ جب سنتی کہ جمیل پاس کی پہاڑیوں میں آیا ہے کوئی نہ کوئی جتن کر کے پہونچ جاتی۔ اور مل آتی۔ چنانچہ ایک دن

جمیل نے کسی شخص سے کہا "بھلا تم میری اتنی مدد کرو گے کہ مجھے بثینہ سے
ملا دو؟" اس نے کہا "اچھا" پھر اسے ساتھ لے جا کے خاندان بثینہ کے پڑاؤ
کے پاس پہاڑوں میں چھپا دیا۔ اور اس کی انگوٹھی لیجا کے چپکے سے بثینہ کے چرواہے کو کوئی
اور کچھ دے دلا کے کہا "تم اس انگوٹھی کو بثینہ تک پہونچا دو۔ اسے فلاں مقام کا پتہ دے
دو۔ اور اس سے وعدہ لے آؤ" بثینہ انگوٹھی دیکھتے ہی مارے خوشی کے آپے سے باہر
ہو گئی۔ چرواہے کا شکریہ ادا کیا اور رات کو آنے کا وعدہ کیا۔ چنانچہ رات کو جیسے ہی
قبیلہ کے سب لوگ سو گئے وہ چپکے سے دبے پاؤں اٹھ کے پہاڑوں میں آئی۔
بڑے ذوق و شوق سے ملی۔ رات بھر یہ صحبت عیش گرم رہی جمیل کمال بیتابی کے
ساتھ اپنے اشعار سناتا رہا۔ صبح ہوتے ہی رخصت ہو کے بثینہ اپنے خیمے میں گئی۔
اور جمیل نے اپنے قبیلہ کا راستہ لیا۔

ان دنوں جمیل کا معاصر شاعر کثیر تھا۔ اور جس طرح جمیل بثینہ کے شمع رخسار کا
پروانہ تھا وہ عزہ نام ایک مہ پارہ نازنین کی زلف گرہ گیر کا اسیر تھا۔ اتفاقاً کثیر
ایک دن جمیل سے آ کے ملا۔ جمیل نے پوچھا "کہاں سے آتے ہو؟" کہا "بثینہ
کے باپ کے پاس سے آ رہا ہوں" پوچھا "اور جاتے کہاں ہو؟" کہا "عزہ
کے شوق دیدار میں جاتا ہوں" بولا "تو پہلے ایک کام کرو۔ عزہ سے پھر مل لینا۔
اسوقت بثینہ کے قبیلہ میں واپس جاؤ۔ اور جس طرح بنے میرے لیے اس سے
وعدۂ وصل لے آؤ" کثیر نے عذر کیا کہ "میں ابھی ابھی وہاں سے چلا آتا ہوں
دوبارہ جاتے شرم آتی ہے" بولا "شرم آتی ہے تو آیا کرے اس وقت تو تمہیں
میری خاطر سے وہاں جانا پڑے گا" مجبور ہو کے کثیر نے کہا "اچھا بتاؤ تمہیں
اس سے ملے ہوئے کتنے دن ہوئے؟" کہا "اوائل شوال میں اس کا دیدار نصیب
ہوا تھا۔ اور ہوا یہ کہ میں اس کے قبیلے کے پڑاؤ کے قریب وادی دوم نام ایک

تالاب کے کنارے پہونچا تھا کہ کیا دیکھتا ہوں بثینہ اور اُس کی ایک لونڈی کپڑوں کی گٹھری لیے ہوئے نہاتے اور کپڑے دھونے کو آرہی ہیں۔ جب وہ پانی میں اُتر چکیں تو مجھ سے نظر دوچار ہوئی۔ بثینہ نے کوئی اجنبی سمجھ کے جھٹ پٹ ایک بھیگی چادر میں مُنھ چھپا لیا اور لونڈی سے پوچھا "آپ کون ہیں؟" میں نے کہا "جمیل" نام سنتے ہی بثینہ نے چہرہ کھول دیا۔ مانوس ہو کے بے تکلف باتیں کرنے لگی اور غروب آفتاب کے وقت تک اُس سے لطف و محبت کی باتیں ہوتی رہیں۔ اب جدائی کی گھڑی آپہونچی تھی میں نے پوچھا "اب اس کے بعد کب ملوگی؟" بولی "اس وقت اس کا کیا جواب دوں؟ ہمارا قبیلہ یہاں سے کوچ کرنے والا ہے۔ کسے خبر کہ اب کہاں پڑاؤ ہوگا؟ اور کب اور کس جگہ ملنے کا موقع ملے گا؟" لاچار میں چلا آیا۔ جب سے درد فراق میں مُبتلا ہوں۔ اور اس درد کا علاج سوا تمھارے کسی سے نہیں ہوسکتا۔"

کثیر مجبوراً اُلٹے پاؤں بثینہ کے قبیلہ کی طرف پھر چل کھڑا ہوا اور جمیل سے کہتا گیا کہ "جب تک میں واپس نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہنا۔" بثینہ کے باپ نے جیسے ہی کثیر کو واپس آتے دیکھا جوش مسرت سے مرحبا کہی اور واپسی کا باعث دریافت کیا۔ کہا "آج تین نئے شعر میرے خیال میں آئے ہیں۔ جی چاہا کہ تمھیں آکے سناؤں" جواب ملا "ضرور سناؤ۔ اس سے بڑی کیا عنایت ہوسکتی ہے؟" کثیر نے خیمے کے پاس کھڑے ہو کے اور اس بات کا یقین کرکے کہ بثینہ کے کان تک آواز پہونچ جائے گی اپنے وہ اشعار سنائے۔ اُن اشعار کا مضمون یہ تھا کہ "میں نے عزہ سے کہا کہ اپنا قاصد بھیجوں گا تاکہ تو بتا دے کہ کب ملے گی۔ اور وصال کے بارے میں تیرا کیا حکم ہے۔ آخری ملاقات وادی روم میں ہوئی تھی جب کپڑے دھوئے جارہے تھے۔" یہ اشعار سنتے ہی بثینہ بیتاب ہوگئی۔ بے اختیار سینہ پر ایک دوہتڑ

مارا۔ اور منھ سے نکلا "ارے رے رے!" باپ گھبرا کے اندر دوڑا گیا۔ اور پوچھا "بیٹی کیا ہوا؟ خیریت تو ہے؟" بولی "کچھ نہیں۔ وہی کتا تھا جو لوگوں کے سو جانے کے بعد رات کو پہاڑوں سے نکل کے آتا ہے۔ میری آواز سن کے بھاگ گیا" یہ کہہ کے اُس نے اپنی لونڈی سے چلا کے کہا "دوڑ کے دومات دچند ٹیلوں کا نام) سے لکڑیاں لے آ۔ تاکہ ہم ایک بکری ذبح کر کے اپنے مہمان کو کھلائیں" کثیر نے یہ سن کے کہا "نہیں! تکلیف نہ کرو مجھے اس وقت جانے کی جلدی ہے۔ ٹھہر نہیں سکتا۔ اور اسی دم واپس آ کے جمیل سے یہ کیفیت بیان کی۔ وہ سنتے ہی مارے خوشی کے آپے سے باہر ہو گیا۔ اور بولا "میری بثینہ نے اُس وقت جب سارے قبیلہ والے رات کو سو چکیں گے دومات میں ملنے کا وعدہ کیا ہے" کثیر نے کہا "اگر تمھارے نزدیک اُس نے وعدہ کیا ہے تو چلو" شام ہوتے ہوتے دونوں دومات میں پہونچ گئے۔ بثینہ نے ساتھ آنے پر اپنی بہن اُم الحسین اور اپنی خالہ زاد بہنوں لیلیٰ اور نجیا کو بھی راضی کر لیا تھا۔ جب سب سو گئے تو چاروں لڑکیاں اپنے خیموں سے نکل کے مقام موعود پر آ پہونچیں۔ عاشق معشوق عجیب خلوص اور خوشی سے ملے۔ صبح تک ایک دوسرے کی باتوں اور صحبت جاناں کی لذتوں میں مشغول اور محو رہے۔ خود کثیر کہتا ہے کہ "میں نے اپنی زندگی بھر اس سے عفت و پاکبازی کی کوئی صحبت دیکھی تھی۔ اور نہ کبھی اس سے بڑھ کے سچی محبت کا کوئی منظر نظر آیا تھا۔ دونوں ایک دوسرے کے جذبات سے اس قدر واقف تھے اور دلوں کی باتوں کو اس طرح سمجھ جاتے تھے کہ سمجھ ہی میں نہ آتا تھا کس کا عاشقانہ علم غیب بڑھا ہوا ہے" آخر روز ہجران کی قیامت کا آفتاب نکلا اور دونوں ایک دوسرے سے رخصت ہو کے اپنے گھروں کو سدھارے۔

اس ملاقات کی بثینہ کے گھر والوں کو خبر ہو گئی۔ اور سب نے قسم کھائی کہ جمیل جہاں

ملے گا مار ڈالیں گے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جمیل و بثینہ پر دنیا تنگ تھی۔ بثینہ تو گھر میں پڑی پڑی کڑھا کرتی۔ مگر جمیل کا یہ عالم تھا کہ جوش عشق جنون اور مالیخولیا کی شان دکھانے لگا۔ راتوں کو قبیلہ بثینہ سے قریب آتا۔ اندھیرے میں ٹیلوں پر چڑھتا۔ اور دیار جانان کی طرف رُخ کرکے ہوا سے کہتا۔

هبي لي نسيمة من ريح بثينة ... ومني بالهبوب الى جميل

دبثینہ کی خوشبو کا کوئی جھونکا لا ... اور جمیل پر اتنا احسان کر کہ اُسکی طرف چل)

یوں پہاڑوں میں رات رات بھر روتا اور صبح سے پہلے بھاگ جاتا۔ ادھر بثینہ کا یہ عالم تھا کہ اپنی سہیلیوں سے بار بار کہتی "دہائے جمیل کے رونے کی آواز آرہی ہے" وہ کہتیں "ہوش کی دوا کرو جمیل یہاں کہاں؟"

انھیں دنوں کثیر سے پھر ملاقات ہوئی۔ اُسے جمیل کی بیتا بیان دیکھ کے اُس کے چند مشہور اشعار یاد آئے۔ جو اُس نے بثینہ کے فراق میں کہے تھے وہ اشعار پڑھے اور کہا "کیا بثینہ نے یہ شعر نہیں سُنے جو اس قدر بے پروا ہے؟" جمیل نے اسی قسم کے چند اشعار کثیر کے پڑھ دیے اور کہا "کیا عزہ کے کان تک تمھارے یہ شعر نہیں پہونچے جو تمھیں نہیں پوچھتی؟" جواب معقول تھا دونوں نے لپٹ کے رونا شروع کیا اور ساری رات روتے اور آنسو بہاتے رہے۔

آخر جوش عشق اس حد کو پہونچا کہ نہ رہا گیا۔ اور جان پر کھیل کے جمیل قبیلۂ بثینہ کی طرف چلا۔ اور ایک تالاب سے قریب پہونچ کے ٹھہر گیا کہ بثینہ کی کوئی لونڈی یا اُس کے گلہ کی چرانے والی خادمہ ملے تو زہے قسمت۔ خوشامد درآمد کرکے پیام شوق لیجانے پر راضی کرے۔ بثینہ کی کوئی لونڈی تو نہ ملی مگر بنی عذرہ ہی کی ایک اور حبشن لونڈی مشک لیے ہوئے پانی کو لینے آگئی۔ وہ اتفاق سے جمیل کو پہچانتی تھی۔ صورت دیکھتے ہی چلائی "اخاہ! کیسے رہے؟" اور

اُس کے ساتھ ہمدردی کرنے لگی جمیل نے کہا "تمھیں مجھ پر ترس آتا ہے تو اتنا
احسان کرتیں کہ کسی بہانے سے میری یہ انگوٹھی لیجا کے بثینہ کو دے دیتیں میرا
پیامِ شوق پہونچا دیتیں۔ اور اُس سے وعدۂ وصل لے آتیں۔ تم جب تک واپس
نہ آؤ گی میں یہاں تمھارا منتظر رہوں گا" لونڈی نے قبول کیا۔ اور انگوٹھی لے کے گھر
گئی۔ یہاں باتوں میں اُسے اتنی دیر ہو گئی تھی کہ اُس کے آقا نے خفا ہو کے پوچھا
"اتنی دیر تو نے کہاں لگائی؟" اس نے کچھ معمولی عذر کر دیے جن کا کسی کو یقین
نہ آیا۔ اور لوگ اس سے بار بار کے پوچھنے لگے کہ "سچ بتا اتنی دیر سے کہاں تھی؟"
زیادہ مار پڑی تو اُس نے ساری کیفیت بیان کر دی۔ اور جمیل کی انگوٹھی نکال
کے اُن کے ہاتھ میں رکھ دی۔ اس واقعہ کی خبر بثینہ کے گھر میں پہونچی تو اُس کے
باپ بھائی اور شوہر تلواریں سوت سوت کے کھڑے ہو گئے کہ اسی وقت جا کے
اس کا کام تمام کر دیں گے۔ خدا کی قدرت دو چار عذری جوان آ گئے جنھیں جمیل
سے ہمدردی تھی۔ انھوں نے ان لوگوں کو قتل پر آمادہ دیکھ کے کہا "کیا ہوا کیا؟"
انھوں نے ساری سرگزشت بیان کر کے کہا "جاتے ہیں جمیل کو مار ڈالیں گے!"
جوانوں نے پوچھا "جمیل ہے کہاں؟" کہا "اِن پہاڑیوں کے اُس طرف فلاں تالاب
کے کنارے" انھوں نے کہا "لیکن تم نے اُسے کوئی جرم کرتے یا بثینہ سے
ملتے نہیں پکڑا ہے۔ یوں اس کی نکسیر بھی پھوٹی تو اس کے اعزہ بدلہ لینے پر آمادہ
ہو جائیں گے" یہ سُن کے بثینہ کے عزیز خاموش ہوئے اور کہا "پھر کیا کریں؟"
کہا "اگر اُس سے انتقام لینا چاہتے ہو تو ایسی تدبیر کرو کہ وہ بثینہ کے پاس بیٹھا ہوا
اُس سے باتیں کرتا ہوا پکڑا جائے" یہ تجویز پسند کی گئی۔ اور یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ اُس
حبشن لونڈی کو انگوٹھی واپس دی گئی۔ اور کہا گیا کہ "تو اسے لے جا کے بثینہ کو دے
اور اُس سے وعدہ لے۔ اور یہ نہ بتا کہ کسی اور کو بھی خبر ہو گئی ہے۔ اور جس وقت

وہ جانے کا وعدہ کرے اُس کی جاسے جمیل کو خبر کر دے"۔ لونڈی تو ادھر بثینہ
سے پاس گئی۔ اور یہ لوگ اِدھر سیدھے جمیل کی تلاش میں روانہ ہوئے۔ پتہ پوچھ ہی
لیا تھا دم بھر میں جا پہونچے اور سارے واقعہ کی خبر کر دی جمیل نے کہا "خیر میں تو
چلا جاؤں گا مگر تم کسی طرح بثینہ کو تو خبر کر دو۔ ایسا نہ ہو کہ وہ یہاں آ کے پریشان ہو"۔ سب
نے اس کا وعدہ کیا۔ اور جمیل کو وہاں سے بھگا کے آئے اور بثینہ کی لونڈی کو کچھ
دے دلا کے راضی کیا۔ اور اُس کے ذریعہ سے اُسے بھی خطرے اور جمیل کے
چلے جانے سے آگاہ کر دیا۔

اس کے بعد پھر جمیل و بثینہ میں کئی ملاقاتیں ہوئیں۔ اور اہل قبیلہ کو معلوم ہو گیا کہ
بثینہ اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتی۔ اور برابر جا کے ملتی ہے۔ تب ناچار ہو کے
انھوں نے اُم منظور نام ایک بڑھیا کو بثینہ کا نگہبان مقرر کیا جو ہر وقت سایے کی
طرح اُس کے ساتھ رہتی۔ اور کسی طرح پیچھا نہ چھوڑتی۔ جمیل کو شوق دیدار ام منظور کے
پاس لے آیا۔ اُس کے ہاتھ جوڑے ناک رگڑی سب طرح کہا کہ "للہ بثینہ کو ایک
نظر دکھا دو"۔ وہ بگڑ کے بولی "جاؤ اپنا کام کرو۔ میں کوئی کٹنی نہیں ہوں"۔ جمیل نے
کہا "بُوا ایسا نہ کرو کہ پھر تمھیں میری شکایت ہو"۔ اُم منظور نے ایک نہ سنی۔ اور
جمیل نے نہایت ہی حسرت کے ساتھ بے نیل مرام واپس آ کے دو شعر کہہ ڈالے
جن کا مضمون یہ تھا کہ "ہائے وہ گھڑی نہ ہوئے گی جب اُم منظور نے سب سے
چھپا کے مجھے بثینہ کا جلوہ دکھایا تھا"۔ یہ اشعار انکی زبان سے نکلتے ہی قبائل
عرب میں مشہور ہو گئے۔ اور جب بثینہ کے شوہر اور باپ بھائی کے کان تک پہونچے
تو وہ ام منظور پر بہت بگڑے۔ اس نے لاکھ قسمیں کھا کھا کے اپنی برارت کی ایک
نہ مانی اور اُس پر سے بھی اپنا اعتبار اُٹھا لیا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے کہ جو واقعہ جمیل نے شعروں کے ذریعہ سے مشہور کیا

اس کی کچھ اصلیت بھی تھی۔ کیونکہ مصعب بن زبیر نے اپنے عروج اور حکومت عراق کے زمانے میں کسی کی زبانی جمیل کے ان دو شعروں میں سے ایک کو سنا تو انھیں بڑا لطف آیا۔ اور جوش مرحبا میں کہنے لگے "کاش یہ معلوم ہوتا کہ ام منظور نے جمیل کو بثینہ کا جلوہ کیونکر دکھایا تھا؟" جس نے شعر سنایا تھا اُسی نے ان کی یہ تمنا سن کے کہا "تو مشکل ہی کیا ہے جس ام منظور کا اس شعر میں ذکر ہے ابھی زندہ موجود ہے خود اُس سے بلا کے پوچھ لیجئے۔"

مصعب نے فوراً جہاں ام منظور تھی وہاں کے عامل کو حکم بھیجا کہ "ام منظور کو فوراً میرے پاس عزت و حرمت سے سوار کرا کے بھیجو" اور جب وہ آئی تو کہا "بڑی بی اتنا بتا دو۔ تم نے کس ادا سے بثینہ کو جمیل کا جلوہ دکھایا تھا کہ اس سے ایسا مزے کا شعر نکل گیا؟" ام منظور نے کہا "سنیے۔ میں نے ایک ہار بثینہ کے گلے میں ڈال دیا تھا۔ ایک خمار سر میں لپیٹ دی تھی۔ کاکلوں کی چوٹیاں گوندھ دی تھیں۔ اور مانگ میں خلوق (خوشبو جو صندل کی طرح لگائی جاتی تھی) لگا دیا تھا بس اتنا ہی سنگار کر کے میں نے بثینہ کو ایک جگہ بٹھا دیا اور جمیل کو صرف اتنی اجازت دی کہ اپنے اونٹ پر سوار ہوکے پاس سے گزر جائے۔ اسی شان سے وہ کن انکھیوں سے دیکھتا ہوا گزرا۔ اور قدم قدم پر پھر پھر کے دیکھتا جاتا تھا یہاں تک کہ نظر سے غائب ہو گیا۔" مصعب کو ان دنوں عائشہ بنت طلحہ کے عشق کا زور تھا۔ اُن سے نئی نئی شادی ہوئی تھی۔ اور ہر لحظہ اُن کے شمع رخسار کے پروانے بنے رہتے۔ ایک بیتابی کے ساتھ ام منظور کو قسم دلائی کہ "یونہیں تم مجھے عائشہ بنت طلحہ کا جلوہ دکھا دو۔" بڑھیا کو کیا عذر ہو سکتا۔ اپنے خیال کے مطابق عائشہ بنت طلحہ کو اُس وقت کی بثینہ بنا کے بٹھا دیا۔ اور مصعب اونٹ پر سوار ہو کے جس طرح بڑھیا نے بتایا تھا کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے نکل گئے۔ اور جب تک نظر

کام دیتی تھی پھر پھر کے دیکھتے جاتے تھے۔

پھر تقدیر ان دو شعروں سے ام منظور کا نٹا تو راستہ سے نکل گیا لیکن معشوقہ پری تمثال کے قبیلہ میں میاں جمیل جاتے کیونکر؟ وہاں جو تھا خون کا پیاسا تھا اور یہاں تاب فراق نہ تھی۔ آخر ایک دن چرواہے کا بھیس کر کے چلے ہی گئے اتفاقاً اس دن بثینہ کے گھر میں چند مہمان ٹھہرے ہوئے تھے۔ آپ بھی اُن کی آڑ میں دبے ہوئے ایک کونے میں بیٹھ گئے۔ بثینہ نے پوچھا "تم کون ہو؟" کہا "ایک محتاج غلام ہوں" غلام خیال کر کے اُس نے اِن کو اور مہمانوں سے الگ بٹھایا۔ پھر آگ روشن کی۔ اور وہ خود اور اس کی ایک لونڈی آگ میں گوشت بھون بھون کے سب کو کھلانے لگیں اتنے میں آپ نے ایک شعر پڑھا جس کا مضمون یہ تھا کہ "دو سر مازدہ شکستہ حال سے لیے کیا حکم ہے؟ وہ رات بھر آگ ہی تاپتا رہے یا اُسے اوڑھنے کو کچھ ملے گا؟" سنتے ہی بثینہ چونک پڑی اور لونڈی سے کہا "یہ تو خدا کی قسم جمیل کی آواز ہی! جا کے دیکھ تو سہی" لونڈی نے آکے دیکھا اور واپس آکے چپکے سے کہا "آپ سچ کہتی تھیں۔ جمیل ہی ہی" اس جواب پر بثینہ نے بیتاب ہوکے ایک ایسی چیخ ماری کہ پاس پڑوس کے تمام آدمی دوڑ پڑے۔ مگر جب تک کوئی آئے آئے اس نے گھبرا کے اپنا دوپٹہ آگ میں ڈال دیا، اور جب لوگوں نے آکے چیخنے کا سبب پوچھا تو بولی "ہائے کیا کروں میرا دوپٹہ جل گیا" اس کے بعد جب سب چلے گئے تو لونڈی بھیج کے جمیل کو اپنے پاس بلایا۔ بڑی گرمجوشی سے ملی۔ اپنی کہی اور اس کی سنی۔ اور تین دن تک اپنے پاس چھپائے رکھا۔

اس موقع پر بثینہ نے اپنے اعزا اور شوہر کی مرضی کے خلاف نہایت ہی جرأت کا کام کیا تھا لیکن عشق اور اس سچی محبت کے تقاضے سے جو اُسے

جمیل کے ساتھ تھی وہ ہر طرح کے خطروں میں پڑنے اور اس سے بھی بڑھ کے جراتیں کرنے کو تیار ہو جاتی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک اندھیری رات میں جبکہ بادل گرجتا تھا۔ مینھ برس رہا تھا اور وہ بنی عذرہ کی کسی عورت سے واپس آ رہی تھی۔ اس کی بہن ام الحسین اور کئی لڑکیاں ساتھ تھیں۔ چلتے چلتے کسی لڑکی پر ایک کنکری آ کے گری۔ وہ سہم سی گئی اور ڈر کے بولی "دیہ کنکری تو کسی جن نے ماری ہے"! بثینہ سمجھ گئی کہ جمیل کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ لڑکیوں سے کہا "ہاں یہ جنوں ہی کا کام ہے۔ جلدی قدم اٹھاؤ کہ بھاگ کے اپنے گھر ہو رہیں۔ اور جاتے ہی پڑ کے سو رہیں"! سب لڑکیاں بجائے اس کے کہ کچھ دیر اُس کے پاس بیٹھ کے باتیں کریں بھاگ بھاگ کے اپنے گھر چلی گئیں۔ فقط ام الحسین اور وہ بڑھیا ام منظور جس کا ذکر آ چکا ہے رہ گئیں۔ تو بثینہ خود جا کے جمیل کو اپنے خیمے میں بلا لائی۔ اور دونوں ساتھ بیٹھ کے باتیں کرنے لگے۔ ساری رات باتوں میں کٹ گئی۔ مگر پچھلے کو نیند کا ایسا غلبہ ہوا کہ دونوں ایک دوسرے کے پہلو میں پڑ کے غافل سو گئے۔ اور اسی حالت میں صبح ہو گئی۔ پاس ہی خیمے میں اس کا شوہر تھا۔ اس لیے کہ ان دنوں عربوں میں رواج تھا کہ میاں بی بی جدا جدا خیموں میں رہا کرتے۔ اس کے شوہر کا معمول تھا کہ روز صبح کو اپنے غلام کے ہاتھ اُس کے پینے کو ایک کٹورا دودھ خاص اپنے اہتمام سے بھیجا کرتا۔ اُسی معمول کے مطابق آج جو غلام آیا تو کیا دیکھتا ہے کہ بثینہ کے پہلو میں جمیل پڑا سو رہا ہے۔ فوراً واپس گیا کہ اپنے آقا کو خبر کر دے۔ اتفاقاً لیلی نام قبیلہ کی ایک عورت نے جو بثینہ کی دوست تھی اسے روک کے پوچھا "دو کہاں جاتے ہو؟" اور غلام نے سارا حال بیان کر دیا۔ لیلی کو بثینہ کے حال پر ترس آیا۔ غلام کو باتوں میں لگایا اور چپکے سے اپنی لونڈی کو اشارہ کیا کہ بثینہ کو جا کے ہوشیار کر دے۔ اُس نے آ کے جگایا۔ اور ماجرا بیان کیا تو بثینہ گھبرا کے اٹھی جمیل کو

جھنجھوڑ کے اُٹھایا اور کہا "خدا کے لیے اپنی جان بچاؤ!" جمیل نے کہا "میں ڈرنے والوں میں نہیں ہوں" تلوار کھینچ لی۔ اپنے بہادرانہ عشق کی مدح میں فخریہ دو شعر پڑھے اور مقابلہ کو تیار ہو گیا۔ یہ دیکھ کے بثینہ اور سہم گئی۔ اور خوشامد سے کہا "یہ وقت نہ بہادری کا ہے اور نہ شاعری کا۔ تمھارے لیے نہیں میں خود اپنی آبرو کے لیے ڈرتی ہوں۔ اسی میں مصلحت ہے کہ چپکے سے تخت کے نیچے دبک رہو" آخر معشوقۂ نازنین کے کہنے سے جمیل تخت کے نیچے گھس گیا۔ بثینہ اپنے بچھونے پر لیٹ کے سوتی پڑ گئی اور اس کے پہلو میں بجائے جمیل کے اُس کی بہن اُم الحسین آ کے لیٹ گئی۔ جب یہ کارروائی ہولی اور لونڈی نے واپس جا کے لیلی کو اشارہ سے بتایا کہ انتظام ہو گیا تب اُس نے اُس غلام کو رخصت کیا۔ غلام نے جاتے ہی اپنے آقا بثینہ کے شوہر کو خبر کی۔ وہ تلوار لے کے دوڑا کہ اس فتنہ کو ہمیشہ کے مٹا دے۔ مگر یہاں آ کے جب دونوں ہم پہلو سونے والوں کے منھوں پر سے چادر ہٹائی تو کیا دیکھتا ہے کہ دونوں بہنیں آس پاس سو رہی ہیں۔ نہایت ندامت کے ساتھ غلام کو گالیاں دیتا ہوا واپس گیا اُدھر لیلیٰ اسی وقت بثینہ کے ماں باپ کے پاس دوڑی گئی اور کہا "خدا انھیں غارت کرے! اپنی لڑکی کو یوں بدنام کرتی ہو اور یہ شریر کانا (بثینہ کے شوہر کی ایک آنکھ نہ تھی) خدا اس سے سمجھے ہر روز کوئی نئی بات اُٹھا کے کھڑی کر دیا کرتا ہے! وہ دونوں داماد کو بُرا بھلا کہنے لگے اور ہر طرف سے اُس پر لعنت برسنے لگی۔ یہاں میاں جمیل دن بھر حیلۂ معشوقۂ پری تمثال کے خیمے میں اُس سے پیار کی باتیں کرتے رہے اور جب شام ہوئی تو رخصت ہوئے۔ اور آتے ہی اس واقعہ کو بھی موزون کر کے سارے عرب میں پھیلا دیا۔

قبیلۂ بنی عذرہ کے جس بطن (یا شاخ) میں بثینہ تھی وہ "بنی الاحب" کہلاتا

تھا۔ اب بنی احب سے ایک نوجوان عبید اللہ بن قطنہ نے جمیل کی ہجو میں اشعار کہنا شروع کیے۔ مگر شاعری میں بھلا جمیل کا کوئی کیا مقابلہ کرسکتا تھا! جواب میں ایسی مٹی خراب کی کہ اُس کے حواس جاتے رہے اور چند روز کے رد و قدح کے بعد اس نے عہد کرلیا کہ پھر کبھی جمیل کو نہ چھیڑوں گا۔ جب وہ ہار چکا تو بنی احب کے ایک اور شخص عمیر بن رمل نے جمیل کے ہجو میں طبع آزمائی شروع کی۔ اور وہ بھی ہار کے ندامت سے خاموش ہوا۔ جمیل نے اِن دونوں کی ہجووں میں چونکہ سارے قبیلے کے اوپر حملہ کیا تھا اور جن کی ہجو تھی وہ بثینہ کے عزیز تھے اسلیئے اُنھیں سُن کے بثینہ بھی جمیل سے خفا ہوگئی۔ اُدھر بثینہ کے اعزہ سب طرف سے ہار کے اپنے علاقہ کے حاکم زکوٰۃ عامر بن ربعی کے پاس پہونچے اور فریاد کی کہ "جمیل ہمارے مردوں کی ہجو کرتا ہے۔ ہمارے گھروں میں چھپ چھپ کے آتا ہے۔ اور ہماری عورتوں کے ساتھ عشق بازی کرتا ہے" عامر نے کہا: "ایسا ہی تو تمھارے لیے اُس کا خون حلال ہے۔ جہاں ملے بے تکلف مار ڈالو۔ اور کوئی مزاحم ہو تو مجھ سے آکے کہنا!" جمیل کو جب یہ حال معلوم ہوا تو بنی احب کے علاقہ سے دُور دُور رہنے لگا۔

یہ زمانہ جمیل کے لیے بڑی بدنصیبی کا تھا۔ ایک طرف جان کا خوف تھا اور دوسری طرف بثینہ کی ناراضی کا صدمہ۔ اصل یہ ہے کہ عبید اللہ بن قطنہ اور عمیر بن رمل بثینہ کے عزیز تھے۔ جمیل نے اُن کی ہجو کہی تو اُسے بُرا معلوم ہوا۔ اور کہنے لگی "میرے ساتھ عشق کا تو دعویٰ ہے مگر میرے عزیزوں کی مذمت کرتے ہیں!" آخر فراق کی بنا ہی۔ اور اپنے وفورِ محبت کو اس عنوان سے اشعار میں ظاہر کیا اور اس طرح دلجوئی کی کہ بثینہ کا دل صاف کیا۔ خیر جمیل نے اپنی شاعری کے جادو سے بثینہ کو تو مسخر کرلیا لیکن حاکم کے موافق بنانے کی کوئی تدبیر نہ بن پڑی۔

آخر بے صبریٔ دل کے ہاتھوں سے مجبور ہو کے اِس خوف کے زمانے میں بھی ایک دن سب سے چھپ کے بثینہ سے ملا۔ باتیں کیں اور اس کے پاس بیٹھا ہی ہوا تھا کہ بنی احب سر پر آ پہونچے۔ اور اُسے پکڑ لیا۔ مگر غنیمت یہ ہوا کہ بنی احب جمیل کے قبیلہ والوں سے دبے ہوئے تھے۔ کیونکہ بنی عذرہ کے جس گروہ میں جمیل تھا وہ بڑا زبردست قبیلہ تھا۔ اسیلیے بثینہ کے اعزہ ڈرے کہ اگر جمیل کے قبیلہ والے انتقام لینے کو اُٹھ کھڑے ہوئے تو کیا کریں گے۔ ناچار خاموش ہو رہے اور اُسے نکل جانے کا موقع دے دیا۔ مگر اُسی وقت والی ملک کے پاس دوڑے گئے اور سارا ماجرا بیان کر کے اپنی عاجزی و بیچارگی ظاہر کی۔ اس نے حکم جاری کر دیا کہ جہاں گرفتار کر لیا جائے۔ اس حکم کے بعد جمیل کو بھاگنے کا راستہ نہ ملتا تھا۔ مجبوراً صحبت یار سے دست بردار ہو کے ملک یمن کی راہ لی۔ اور وہاں کی دشت دور میں خاک چھاننے لگا۔ یہاں تک کہ وہ والی بدل گیا۔ اور بثینہ کے قبیلہ والوں یعنی بنی احب نے بھی علاقۂ شام میں جا کے پڑاؤ ڈالا۔ جمیل کو خبر ہوئی تو پھر آ پہونچا۔ اور پہلے کی طرح بثینہ سے ملنا جلنا شروع کر دیا۔

اب پھر بثینہ کے اعزہ کا کوئی زور نہ چلتا تھا۔ آخر سب کے سب جمیل کے باپ معمر کے پاس آئے جو اپنے قبیلہ کا دولتمند حاکم اور صاحب اثر شخص تھا اور بڑی عاجزی سے کہا "خدا کے لئے اپنے بیٹے کو روکیے۔ وہ ہماری لڑکی پر اظہار عشق کرتے اُس سے بار بار آ کے ملتے۔ اشعار میں اُس کے حسن و جمال کا ذکر کر کے اُسے بدنام کرتے۔ اور ہمیں ساری دنیا میں رسوا کرتے ہیں" معمر نے وعدہ کیا کہ اچھا میں اُسے سمجھا دوں گا۔ پھر اس کے بعد جب جمیل سے ملا تو کہا بیٹا۔ اس گمراہی میں کب تک پڑے رہو گے؟ ایک شوہر والی عورت کے ساتھ علانیہ اظہار عشق کرتے ہو جو ظاہر میں تم سے چکنی چپڑی باتیں کر دیتی ہے اور اصل میں اپنے شوہر کی جاں نثار

ہے۔ تمھیں اس پر شرم نہیں آتی کہ جسے اپنی معشوقہ بتاتے ہو وہ روز غیر کا پہلو گرم کرتی ہے؟ تمھاری ان حرکتوں کو سُن سُن کے میں مارے غیرت کے مرا جاتا ہوں مگر تم پہ اثر نہیں ہوتا۔ سچ یہ ہے کہ میں نے نہ تم سے زیادہ نالائق دیکھا ہے اور نہ تم سے بڑھ کے کوئی بے وقوف ہوگا جو ایک ایسی عورت کے شوق میں عمر ضائع کرے جس کا ملنا غیر ممکن ہے۔ لہٰذا ان بیہودگیوں سے باز آؤ۔ میں نے اس بارہ میں خوب غور کر لیا ہے۔ اگر کوئی صورت امکان میں ہوتی تو تمھارے لیے اپنی ساری دولت خرچ کر کے میں اُس عورت کو لے آتا۔ اور تمھارے حوالے کرتا۔ خوب یاد رکھو کہ لُبنیٰ جس کی ہونے والی تھی ہو چکی۔ تمھارے قبیلہ میں ایک سے ایک بڑھ کے خوبصورت لڑکیاں پڑی ہیں۔ جس سے کہو شادی کر دوں مگر اُس کا خیال چھوڑ دو۔ قیس نے کہا: "آپ کی رائے نہایت صائب ہے۔ اور جو کچھ آپ فرماتے ہیں بالکل بجا و درست ہے لیکن سچ فرمائیے۔ آپ نے کبھی کسی شخص میں اتنی طاقت پائی ہے کہ اپنے عشق کو دل سے نکال ڈالے؟ اور معشوقہ سے دست بردار ہو کے دل کو تسلی دے سکے؟ خدا کی قسم اگر یہ بس کی بات ہوتی کہ اُس کی یاد کو دل سے بھلا دوں اور اُس کی صورت کو جو آنکھوں کے آگے قائم ہو گئی ہے سامنے سے ہٹا دوں تو میں ہرگز تامل نہ کرتا۔ مگر افسوس یہ امکان میں نہیں۔ دراصل یہ ایک آفت ہے جس میں پڑ گیا ہوں۔ اور اس سے بچنے کی کوئی صورت نہیں نظر آتی۔ جانتا ہوں کہ لُبنیٰ کے اعزہ و اقارب اور حکومت دشمن ہے۔ مگر محبت سے باز نہیں آ سکتا۔ یہی نہ کہ اس شوق میں مار ڈالا جاؤں گا تو یہی میری تمنا ہے۔" اور پُرجوش اشعار میں دل کی حالت ظاہر کرنے لگا۔ اس وقت اُس نے اپنی بے بسی و بیقراری ایسے مؤثر الفاظ میں ادا کی تھی کہ باپ اور تمام سننے والے زار و قطار رونے لگے۔

اب اُسے اپنی زندگی بہت دشوار نظر آنے لگی اور آمادہ ہوا کہ بھاگ کے

ملک شام میں چلا جائے۔ چلتے وقت دل میں کہا "اب کوئی جانان سے جاتا تو ہی ہو لیا چلو چلتے وقت ایک رخصتی ملاقات تو کر لوں" یہ خیال آتے ہی ایک رات کو جبکہ قبیلہ والے غافل تھے بے تکلف بثینہ کے خیمے میں چلا گیا۔ وہ صورت دیکھتے ہی سہم کے رہ گئی۔ اور کہا "خدا کی قسم تم اپنی ہی جان دو گے اور میری بھی جان لو گے تم کو یہاں آتے ڈر نہ لگا؟" جواب دیا "اب تو شام کو جاتا ہوں۔ اور جدائی کی گھڑی سر پر کھڑی ہے۔ آیا ہوں کہ تم سے رخصت ہو لوں" یہ سن کے اُسنے پاس بٹھا لیا۔ دیر تک عشق و محبت کی باتیں رہیں۔ پھر لپٹ لپٹ کے رخصت ہوا۔ اور کہا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ زندگی میں پھر تمہاری زیارت نہ ہو گی" یہ کہہ کے رویا جو بہ پری تمثال کو رُلایا۔ اور اپنے چند اشعار شوق درد کے لہجے میں سُنا کے چلا آیا۔

ایک مدت تک ارض شام میں سرگردان رہنے کے بعد پھر واپس آیا۔ اور بثینہ نے اُس کے آنے کی خبر سُنی۔ اب بثینہ کی بیتابی و بیقراری بڑھی ہوئی تھی۔ قبیلہ کی چند لڑکیوں کی معرفت اُسے خود ہی پیام بھیج کے بلوایا۔ اور ایک محفوظ مقام میں اطمینان سے ملی۔ دونوں نے اپنے دلوں کی حالت ایک دوسرے پر ظاہر کی۔ اور شکایت ہجران کے دفتر کھولے۔ انھیں باتوں میں مصروف تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ بثینہ کے باپ اور بھائی سر پر تلواریں کھینچے کھڑے ہیں۔

یہ دیکھتے ہی جمیل بجلی کی طرح تڑپ کے الگ جا کھڑا ہوا۔ تلوار کھینچ اور شمشیر زنی کا ایسا کمال دکھایا کہ دونوں حریف مقابلے میں عاجز آ گئے اور ہمتیں ہار کے بھاگ کھڑے ہوئے۔ باپ بھائی کے جانے کے بعد بثینہ نے گھبرا کے کہا "اب تم خدا کے لیے واپس جاؤ۔ ذرا بھی ٹھہرے تو میں ایسی رسوا ہوں گی کہ کہیں کی نہ رہوں گی۔ اور ممکن ہے کہ سارا قبیلہ چڑھ آئے تو پھر کیا کرو گے؟" کہا "میں سب سے مقابلہ کروں گا۔ تم شوق

سے جاؤ۔ مگر مین یہان ٹھہرا رہون گا۔ اُن کا جو جی چاہے کرین"۔ لیکن بثینہ نے قسمین دلا دلا کے چلے جانے پر مجبور کیا اس واقعہ کو بھی اس نے اپنے کلام مین موزون کیا ہے۔

اب پھر جمیل بثینہ کے قبیلہ کے آس پاس مارا مارا پھرتا تھا۔ اور پہاڑون مین بیٹھ بیٹھ کے مصیبت ہجران پر روتا تھا۔ اتفاقاً ایک دن اپنے دو چچازاد بھائیون روق اور مسعدہ سے ملاقات ہو گئی۔ اُن کو پُرجوش اشعار مین اپنا درد دل سُنایا۔ اور کہا "اللہ کوئی ایسی صورت نکالو کہ مین اپنی بثینہ سے مل سکون"۔ انھون نے کہا "تمھارے معاملہ مین کون دخل دے؟ اس وقت قبیلہ مین ایک سے ایک بڑھ کے حسین لڑکی پڑی ہوئی ہے مگر تم بثینہ کے نام پر مٹے ہوئے ہو۔ جو دوسرے کی جورو ہے کامیابی بھی ہو تو یا تم بدکاری مین مبتلا ہو گے جسے ہم تمھاری شان کے خلاف سمجھتے ہین۔ اور یا ذلیل ہو گے جو بات ہمین گوارا نہین ہو سکتی اگر تم اپنے نفس پر تھوڑا سا جبر کرو۔ اپنی خواہشون کو روکو اور پرہیز کی کڑواہٹ گوارا کر لو تو ساری دشواریان دُور ہو جائین گی"۔ یہ سُن کے جمیل پھُوٹ پھُوٹ کے رو دیا اور کہا "بھائی اگر یہ میرے بس کی بات ہوتی تو تمھارا کہنا ٹھیک تھا۔ لیکن کیا کرون دل ہی قابو مین نہین ہے۔ مین تو ایک قیدی ہون جو اپنے نفع کی کوئی بات نہین کر سکتا۔ مین تمھارے پاس اس لیے آیا تھا کہ میری مدد کرو اور درد دل کا کوئی علاج بتاؤ۔ یہ اگر تم سے نہین ہو سکتا تو نہ سہی مگر مجھے اور زیادہ پریشان تو نہ کرو"۔ یہ سُن کے دونون کو ترس آ گیا۔ اور کہا "خیر اگر تم جان دینے ہی پر تلے ہوئے ہو تو ایک تدبیر ہو سکتی ہے۔ بنی احب مین ہمارا ایک جانی دوست ہے۔ اُس سے مدد مل جائے گی۔ بثینہ آج ہی رات کو قبیلہ کی اور بہت سی لڑکیون کے ساتھ ایک میدان مین کھیلنے کو جائے گی۔ ہم تمھیں چھپ کے وہان لے چلین گے۔ اس سے ملنا۔ جب تک موقع ہو باتین کرنا۔ اور جب صبح ہوتے دیکھنا میرے ان دوست کے گھر مین جا کے چھپ رہنا

اِس طرح ایک زمانے تک تم وہاں قیام کرکے اس سے ملتے رہنا۔" جمیل نے کہا اُس سے بہتر کیا ہو سکتا ہے؟" اور اُن سے ساتھ بھیس بدل کے راتوں رات بنی احب میں جا پہونچا۔ ساتھیوں نے وہاں پہونچ کے جب اپنے دوست سے یہ خواہش بیان کی تو اُس نے کہا "تم مجھے ایک بڑی آفت میں پھنسا رہے ہو۔ ذرا بھی کھل گیا تو سارا قبیلہ میری جان کا دشمن ہو جائے گا۔" اُنھوں نے پھر اصرار کیا تو اس نے جبراً و قہراً منظور کر لیا۔ اور ساتھ ہی جمیل کو اپنے خیمے میں چھپا کے بٹھا لیا۔ اور رات ہی کو اپنی لونڈی کے ہاتھ اُس کی انگوٹھی بثینہ کے پاس بھیجی۔ بثینہ انگوٹھی پہچانتے ہی لونڈی کے ساتھ چلی آئی۔ بڑی گرم جوشی سے ملی۔ اور رات بھر دونوں میں اظہار شوق کی باتیں ہی ہوتی رہیں۔ غرض مسلسل تین دن تک دونوں یونہیں راتوں کو ملتے رہے۔ تیسرے دن جمیل نے بثینہ سے کہا۔ "اس نیک آدمی نے ترس کھا کے مجھے اپنے خیمے میں بٹھا لیا۔ اور مسلسل تین دن تک ہمیں وصل کی لذت حاصل ہوتی رہی۔ اب اس پر زیادہ بار ڈالنا نہیں اچھا ہے۔ ممکن ہے کہ کسی کو خبر ہو اور اس پر آفت آ جائے اسلیے اب میں رخصت ہوتا ہوں۔"

جمیل اور بثینہ کے عشق میں ایک مرتبہ دو چار روز کے لیے جوش رقابت خلل انداز بھی ہوا تھا۔ اور ہوا یہ کہ بثینہ اپنے قبیلہ کے کسی خوش رُو لڑکے سے باتیں کر رہی تھی کہ جمیل نے دیکھ لیا۔ اِس کا جواب اُس نے یہ دیا کہ اُس کے سامنے وہ بھی کسی اور جوان لڑکی سے ہنس ہنس کے باتیں کرنے لگا۔ ان واقعات نے دونوں دلوں میں ذرا رکاوٹ پیدا کر دی لیکن اس کے ساتھ ہی ہجر کی تکلیف دونوں کو بیقرار و بیتاب کیے ہوئے تھی۔ ایک دن اُسے دور سے دیکھ کے وہ آئی مگر پاس آ کے ٹھٹک کے آڑ میں کھڑی ہو رہی۔ جمیل کا دل ہاتھ سے نکل گیا۔ اور تین شعر پڑھے جن میں سے پہلے کا مضمون یہ تھا "دو مجھے دھڑکا لگا تھا کہ ایسا نہ ہو موت مجھے فنا کر دے اور دل کی حسرتیں دل ہی میں رہ جائیں۔" سنتے ہی بثینہ کا دل بھی ہاتھ سے جاتا رہا۔ اور دونوں میں ملاپ ہو گیا۔ اس وقت

جوش میں آ کے بثینہ نے کہا "جمیل اپنا یہ شعر مجھے اپنی زبان سے سناؤ۔"

تظلّ ودو بارنستر ترنو لحظها   اذا مرمن اترابها من یروقها

(اس کا ہم سن چاہنے والا اُس کے پاس سے گزرا ہے اور وہ پردے کی آڑ میں کھڑی ہوئے اُسے کن انکھیوں سے دیکھ رہی ہے) جمیل نے اس شعر کو پڑھا بثینہ سُن کے رونے لگی۔ پھر بولی "جمیل ایسا کبھی نہیں ہوا۔ اور تمہیں بتاؤ کہ تم سے بڑھ کے میرا چاہنے والا کون ہوگا؟"

اب جمیل ملک شام میں تھا اور اپنے قبیلہ بنی عذرہ کے سردار کا مہمان تھا۔ اُس کی سات بیٹیاں تھیں۔ اُس نے چاہا اپنی کسی بیٹی کا اُس کے ساتھ عقد کر دے۔ ان لڑکیوں کو سمجھا دیا کہ بناؤ سنگھار کیے رہا کرو۔ اور جب موقع ملے جمیل کو اپنی صورت دکھا دیا کرو۔ عاشق مزاج نوجوان ہے اور اس کے ساتھ شریف۔ شاید فریفتہ ہو کے کسی کے لیے پیام دے دے۔ لڑکیوں نے یہ معمول کر لیا کہ جب اسے تنہا پاتیں پردہ اُٹھا کے اپنی جھلک دکھا دیا کرتیں۔ جب جمیل کو معلوم ہوا کہ جان بوجھ کے یہ حرکت کرتی ہیں تو اُن کی تحقیر اور بثینہ کی تعریف میں چند شعر کہے اور بھاگ کھڑا ہوا۔ اور ملک مصر کی راہ لی۔ بنی احب کا پڑاؤ راستہ ہی میں تھا۔ اُن کے قریب پہاڑیوں میں ٹھہر گیا اور ارادہ کیا کہ بثینہ کا ایک جلوہ دیکھ لے تو قدم آگے اُٹھائے۔ معشوقہ شیریں ادا کی ہمکناری کے شوق میں بیتاب تھا کہ ایک دن اتفاقاً بثینہ کے قبیلے کے مرد کہیں باہر چلے گئے۔ بثینہ کا خیمہ سر راہ اس سڑک کے کنارے تھا جو شام سے مصر کو گئی تھی۔ کئی دن سے بارش تھی۔ اب پانی بھی ذرا کھلا تھا کہ بثینہ کیا دیکھتی ہے ایک شکستہ حال بھوکا بھی خیمے میں آ کے پناہ گزین ہوا ہے۔ بثینہ کے پاس ایک بڑھیا تھی جو صورت دیکھتے ہی چونک کے بولی "جمیل!" جواب ملا "ہاں میں جمیل ہوں" اُس نے پنیر اور شکر کھلایا پانی پلایا۔ اور جب اُس کے حواس درست ہوئے تو کیفیت پوچھی۔ بولا "تین دن سے سامنے

کی پہاڑیوں میں چھپا ہوا تھا۔ اور منتظر تھا کہ مرد جائیں اور پانی کھلے تو بثینہ سے آ کے ملوں اور اُس کا ایک جلوہ دیکھ لوں۔ اس لیے کہ اب میں مصر کی طرف جاتا ہوں۔ پھر دیکھیے زندگی میں آنا نصیب ہوتا ہے یا نہیں یہ سُن کے بثینہ اس سے بڑی سچائی اور لطف کے ساتھ ملی۔ تھوڑی دیر تک دونوں نے مزے مزے کی باتیں کیں۔ اور جمیل اس سے رخصت ہو کے مصر چلا گیا۔

مصر کا حاکم و والی اُن دنوں عبدالعزیز بن مروان تھا۔ اس نے جمیل کی بڑی قدر کی ایک اعلیٰ درجے کے مکان میں ٹھہرایا۔ ہر طرح کی خاطر مدارات کی۔ اور بثینہ سے ملانے کا مضبوط وعدہ کیا۔ مگر افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ وہاں چند ہی روز کے قیام میں بیمار پڑ گیا اور مرض مہلک ثابت ہوا۔ اتفاقاً سہل ساعدی اور ایک اور شخص اُس کی عیادت کو آئے اسلیئے کہ جمیل اُس وقت کا بے مثل و بے نظیر شاعر تھا اور لوگ اس کی صورت دیکھنے کے مشتاق رہتے تھے۔ سہل بڑے فقیہ اور مقتدائے ملت تھے اُن کو دیکھ کے جمیل نے پوچھا "بھلا ایسے شخص کی نسبت آپ کیا فرماتے ہیں جس نے زندگی بھر کبھی زنا کیا ہو۔ نہ شراب پی ہو۔ نہ کسی کی جان لی ہو۔ اور پچاس سال سے اس بات کی شہادت دیتا رہا ہو کہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" سہل نے کہا "میں سمجھتا ہوں کہ اُس کی نجات ہوگی۔ مگر ان خوبیوں کا کون آدمی ہے؟" بولا "یہ خاکسار" سہل سُن کے حیران رہ گئے۔ اور حیرت کے ساتھ پوچھا "بڑے تعجب کی بات ہے کہ قریب قریب تمھاری زندگی تو بثینہ پر اظہار عشق کرتے گذری ہے اور اپنے آپ کو ایسا پاکباز و متقی بتاتے ہو" جواب دیا "آپ جانتے ہیں کہ میں اب چند ہی روز کا مہمان ہوں۔ لیکن مرتے وقت بھی دعوے کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے محمد رسول اللہ صلعم کی شفاعت نہ نصیب ہو اگر کبھی میں نے بُری نیت سے بثینہ کے بند سے میں ہاتھ بھی لگایا ہو۔ وصال میں اکثر میرا یہ کام ہوا کرتا کہ اُس کا نازک ہاتھ لے کے اپنے مضطر دل پر رکھ لیا کرتا جس سے ذرا تھوڑی دیر کے لیے تسکین ہو جاتی اور

اس کے بعد پھر وہی بیقراری پیدا ہو جاتی۔

شاید اس کے چند روز بعد کا واقعہ ہے کہ بنی احب کے خیموں کے پاس ایک دن ایک شتر سوار آیا۔ اونٹنی سے اُتر کے ایک ٹیلے پر چڑھ گیا۔ اور ایک پُرسوز نوحے کی دُھن میں تین تین شعر گا گا کے سنائے۔ جن کا آخری شعر یہ تھا۔

قومی بثینۃ فاندبی بعویل وابکی خلیلک دون کل خلیل

بثینہ اُٹھ۔ اور چلاّ چلاّ کے بین کر اور اپنے اُس حبیب پر رو جو سب دوستوں سے اولیٰ تھا

یہ اشعار نہ تھے جادو تھے کہ سنتے ہی سارے قبیلے کی عورتیں گھروں سے نکل پڑیں اور سراسیمہ و مضطر اس تازہ وارد شخص کی طرف دوڑیں۔ آگے آگے ایک غزال چشم اور حور وش ماہ سیما تھی جو نہایت بد حواس اور مضطرب الحال نظر آتی تھی۔ اپنے کرتے کے دامن میں اُلجھتی اور ٹھوکریں کھاتی ہوئی آئی اور کہنے لگی "اے شخص اگر تو سچا ہے تو تو نے مجھے مار ڈالا۔ اور اگر جھوٹا ہے تو رسوا کر دیا۔ خدا کے لیے بتا ماجرا کیا ہے؟" اُس نے کہا "میں جھوٹا نہیں سچا ہوں جمیل عذری نے ارض مصر میں انتقال کیا۔ وہاں مجھ سے اُن سے راہ و رسم پیدا ہو گیا تھا۔ ان دنوں جب وہ سخت بیمار ہوئے اور یقین آ گیا کہ یہی مرض مرض موت ہے تو ایک دن تنہائی میں انھوں نے مجھ سے کہا کہ ایک بات کا اقرار کرو جب میں مر جاؤں تو میرے پاس جو کچھ ہے تم لے لو اور مجھے دفن کرو۔ پھر اس کے بعد میری اونٹنی پر سوار ہو کے قبائل بنی عذرہ میں سے قبیلہ بنی احب میں جاؤ۔ وہاں پہنچ کے میری قبا پہن لو۔ اس کا گریبان چاک کر ڈالو۔ اور کسی بلندی پر کھڑے ہو کے یہ تین شعر بآواز بلند اہل قبیلہ کو سنا دو۔ چنانچہ دیکھ لو یہ انھیں کی قبا میں پہنے ہوئے ہوں جس کا گریبان چاک ہے۔"

یہ حالت سننے کے بعد پھر بثینہ کو کہاں قرار تھا؟ زور و شور سے رونے پیٹنے اور بین کرنے لگی۔ اور قبیلہ کی ساری عورتیں ماتم میں اُس کے ساتھ شریک تھیں۔

روتے غش کھا کے گری۔ پھر دیر کے بعد اُٹھی اور جمیل کے مرثیے میں اپنے اشعار پڑھنا شروع کیے۔ جو برابر تین شبانہ روز تک زبان پر جاری رہے۔ یہانتک کہ تیسرے دن اسی غم میں وہ بھی دُنیا سے چل بسی۔ اور سنہ ۸۲ھ میں دونوں عاشق و معشوق کی زندگی کے ساتھ اُن کی داستان عشق بھی ختم ہو گئی۔

اہل ادب میں ایک ایسا واقعہ مشہور ہے جو بثینہ کے اس وقت مرجانے کے خلاف ہے۔ وہ یہ کہ بثینہ جب بڑھیا ہو گئی تو ایک دن عبد الملک بن مروان نے بلوا کے اس سے اور جمیل کے عشق کے حالات اُس کی زبان سے سُنے۔ اور سُن کے کہنے لگا "بثینہ تم میں کوئی خوبی نہیں نظر آتی۔ آخر تم میں کیا بات تھی جو جمیل تم پر عاشق ہو گیا؟" بثینہ نے برجستہ جواب دیا "اور آپ میں کیا بات تھی جو لوگوں نے آپ کو خلیفہ بنا لیا؟" اس جواب پر عبد الملک مارے ہنسی کے لوٹ گیا۔ اور انعام و اکرام کے ساتھ بثینہ کو رخصت کیا۔ اس قصہ کو کسی شخص نے بنا لیا ہے۔ اور اگر صحیح ہے تو بثینہ کا نہیں کسی اور عورت کا ہے اس لیے کہ اہل سیر کو اس پر اتفاق ہے کہ جمیل کی خبر مرگ سننے کے بعد بثینہ تین دن سے زیادہ نہیں جی۔ علاوہ بریں واقعات مندرجۂ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ بثینہ جوان مری ہے جبکہ اس کے حسن و جمال میں کسی قسم کا فرق نہیں آنے پایا تھا۔ اور عبد الملک بن مروان سنہ ۸۶ھ میں یعنی جمیل کی وفات کے چار ہی برس بعد دنیا سے رخصت ہو گیا اسلیے یہ غیر ممکن ہے کہ چار ہی سال کے اندر بثینہ جوان سے بڑھیا اور ایک گل اندام حسینہ سے کریہ منظر ضعیفہ ہو گئی ہو۔

اُمِّ جعفر

یہ محترم خاتون عبد اللہ بن عرفطہ کی بیٹی تھی۔ مدینہ طیبہ کے شریف اور معزز و مستند خاندانوں میں سے تھی۔ اور بے نظیر حسن و جمال کے ساتھ دانائی و فراست اور قابلیت و

عفت میں بھی مشہور تھی۔ اسلام کا ابتدائی زمانہ اور تابعین کا دور تھا۔ جب شعرائے عرب کا معمول تھا کہ ہمارے شاعروں کی طرح عام حسن کے دلدادہ یا کسی غیر متعین معشوق سے شیدا نہیں ہوا کرتے تھے۔ بلکہ اُن کا معمول تھا کہ کسی خاص حسینہ کو اپنی عاشقی اور خیال آرائی کے لیے منتخب کر لیا کرتے اور اُس کا نام لے لے کے اظہار عشق کرتے اور مجنونانہ شعر خوانی کرتے پھرتے۔ سچ یہ ہے کہ شریف زادیوں کے لیے یہ زمانہ نہایت ہی خطرناک تھا۔ اور پھر اسکے ساتھ عربوں کا یہ اصول معاشرت کہ جس عورت کے ساتھ کسی کو شادی سے پہلے عشق ہو جائے اُس کے ساتھ نکاح کرنا نہایت ہی معیوب اور موجب بدنامی و رسوائی خیال کیا جاتا۔

غرض ایسا نازک زمانہ تھا کہ اُمرا و شرفائے عرب کی محفلوں میں اُم جعفر کے حسن و جمال اور اُس کی نازنینی و دلبری کی شہرت ہوئی۔ اور جن لوگوں کو کبھی اُسکے رخ زیبا کی زیارت نہیں نصیب ہوئی تھی وہ بمصداق ؎ "بسا کین دولت از گفتار خیزد" اُس کی نزاکت و رعنائی کی یاد میں سر دُھننے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اُس عہد کا مشہور شاعر احوص اُم جعفر کا عاشق دلدادہ بن گیا۔ اپنے اشعار میں علانیہ اُس کا نام لیتا۔ ایک ایک کے سامنے اُس کے رخ زیبا کو یاد کر کے روتا۔ اور اپنے کلام میں بے تکلف ظاہر کرتا کہ میں اکثر جا کے اُم جعفر سے ملتا ہوں اور اُس سے یوں راز و نیاز کی باتیں ہوتی ہیں۔ فلاں مقام پر اُس نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے اُسے یہ جواب دیا اور فلاں موقع پر سے مجھے اُس کی یہ دلربائی کی ادا نظر آئی اور میں یوں کلیجہ تھام کے رہ گیا۔

جب یہ اشعار مشہور ہوئے اور احوص کے کلام کی عام مقبولیت کے باعث تمام لوگوں کی زبانوں پر اُم جعفر کا نام جاری ہو گیا تو اُس پاکدامن خاتون کا کل شرفا و معززین بدگمانی کی نظر سے دیکھنے لگے۔ یہاں تک کہ اُم جعفر کے عزیز و قریب خاندان کی عصمت و ناموس پر حرف آنے کے خیال سے پریشان اور شرمندہ ہونے لگے۔ اور سب نے

اُم جعفر کو ڈانٹنا اور سخت و سست کہنا شروع کیا۔ غریب معصومہ نے قسم کھائی کہ میں نے تو کبھی اس ظالم احوص کی صورت بھی نہیں دیکھی۔ جانتی ہی نہیں وہ کون ہے اور کیسا ہے۔ اور میں تو جانتی ہوں کہ اُس نے بھی مجھے کبھی نہیں دیکھا ہے۔ یہ فقط اُس کی شرارت و بیحیائی ہے جو مجھے مفت اور بے وجہ بدنام کر رہا ہے"۔ اِدھر اُم جعفر اپنی پاکدامنی و عفت کی قسمیں کھا رہی تھی اور اُدھر احوص عام مجمعوں میں غل مچاتا پھرتا تھا کہ ام جعفر کی نگاہ ناز یوں میرے کلیجے میں اُتر گئی۔ اور یوں فلاں مقام پر وہ اپنے تمام عزیزوں سے چھپ کے مجھ سے ملی اور مجھے دیوانہ بنا کے چلی گئی۔

آخر اُم جعفر کے بھائی ایمن کو غصہ آگیا۔ اور طیش میں آکے احوص کے پاس کہلا بھیجا کہ "اپنی ان حرکتوں سے باز آؤ ورنہ بُرا ہوگا۔ تم ایک شریف زادی کو مفت بدنام کر رہے ہو جس سے اُس کے دامن عفت میں دھبہ لگا جاتا ہے۔ اگر پھر کبھی تم نے اس بارے میں کوئی کلمہ منہ سے نکالا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہوگا"۔ مگر احوص اپنی حرکتوں سے باز نہ آیا۔ اور ایمن قطعی طور پر آمادہ ہوگیا کہ کسی دن اُس سے دو دو ہاتھ ہو جائیں۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی تو حاکم مدینہ نے اس اندیشہ سے کہ اِن دونوں کی عداوت سے کہیں امن عامہ میں خلل نہ پڑ جائے دونوں کو پکڑ بلایا۔ پھر دونوں کے پاؤں ایک رسی میں بندھوا کے سونٹے دونوں کے ہاتھوں میں دیے اور کہا "اب دونوں لڑو۔ دیکھوں کون زیادہ مار کھاتا ہے"۔ اس لیے کہ رسی میں بندھے ہونے کی وجہ سے کوئی بھاگ تو سکتا نہ تھا۔ کمزور اور مغلوب سوا اس کے کھڑے کھڑے مار کھائے اور کچھ نہ کر سکے گا۔

اب دونوں زور و شور سے کوڑے بازی کر رہے تھے۔ مگر ایمن کے دل میں شریفانہ غیرت و حمیت کا سچا جوش تھا۔ اور احوص میں علاوہ اس کے کہ شعرا اکثر بزدل ہوتے ہیں کذب و افترا کی کمزوری تھی۔ چند ہی کوڑے کھائے تھے کہ کمال بدحواسی کے ساتھ جان چھڑانے کے لیے رسیاں تڑانے لگا۔ اور آخر اپنے آپ کو چھڑا کے نوک دُم بھاگا

ایمن پیچھے دوڑا۔ اور دُور تک کوڑے مارتا چلا گیا۔ یہاں تک کہ احوص کسی گلی میں بھاگ کے غائب ہو گیا۔

اس طریقہ سے ایمن نے بخوبی سزا دے لی۔ اور بہت کچھ دل کی بھڑاس بھی نکال لی۔ مگر جو اصلی مقصد تھا نہیں حاصل ہوا۔ اس لیے کہ احوص باوجود بھاگتے پھرنے کے اب بھی اُسی قسم کے اشعار کہتا۔ اور ام جعفر کو اور زیادہ بدنام کرتا پھرتا۔ اب ایمن کے خیال میں سوا اس کے کوئی تدبیر نہ تھی کہ احوص کو جو چھپتا پھرتا تھا کہیں ڈھونڈھ نکالے اور جہاں ملے بے تامل مار ڈالے۔

اسی اثنا میں ایک دن احوص اپنے احباب کے ایک بڑے مجمع میں بیٹھا ہوا غزلخوانی کر رہا تھا۔ اور لوگ اُس کی نازک خیالیوں کی داد دے رہے تھے۔ انھیں اشعار میں اُس نے اپنے وہ اشعار بھی سنائے جو اُم جعفر کے حسن کی تعریف میں تھے اور جن میں سے اُس سے ملنے اور وصل کا وعدہ لینے کا تذکرہ تھا۔ ناگہاں ایک برقع پوش عورت آئی اور خوشامد کے لہجے میں احوص سے کہنے لگی "آپ نے مجھ سے وہ بھیڑی لی تھی مگر اُس کے دام آج تک نہیں دیے۔ اب میں نہایت پریشان و تنگدست ہوں۔ لہٰذا اُس کے دام دے دیجئے!" احوص نے کہا "میں نے کبھی تم سے کوئی بکری نہیں لی" عورت بولی "مجھے مفلس و نادار اور بے کس و بے بس دیکھ کے تم نے انکار کر دیا! مگر میں بے لیے نہ رہوں گی" یہ کہہ کے اُس نے ایک کاغذ نکال کے ندیمان صحبت کے ہاتھ میں دیا۔ اور رو کے کہنے لگی "دیکھیے اس کاغذ پر انھوں نے مجھے لکھ بھی دیا تھا اور آج کس طرح صفائی کے ساتھ مکرے جاتے ہیں۔ زمانے کا یہی حال ہے تو کوئی کیونکر جیے گا؟" لوگوں نے وہ کاغذ احوص کو دیا جسے دیکھ کے اُس نے کہا "یہ میرے ہاتھ کا لکھا ہی نہیں ہے۔ یہ کوئی مکار و حیلہ ساز عورت ہے جو خواہ مخواہ مجھ سے کچھ روپیہ لے مرنا چاہتی ہے" اس کا جواب سُن کے عورت نے رونا پیٹنا اور آہ و واویلا کرنا شروع کیا۔ اور آنسو بہا بہا کے

کہنے لگی "لوگو خدا کے لیے تمھیں میری مدد کرو۔ مین فاقون مر رہی ہون مفلسی نے نان شبینہ تک محتاج کر دیا ہے۔ بڑا سہارا ان روپیون کا تھا جو اس ظالم کے ذمے ہین۔ افسوس یہ بھی مکر گیا۔ ہاے مین مر جاؤن گی"۔ عورت کچھ ایسی بےکسی سے پھوٹ پھوٹ سے روئی کہ حاضرین کو اُس کی حالت پر ترس آگیا۔ اور سبنے احوص سے کہا "تم کو ایسی بے رحمی نہ کرنی چاہیے۔ اس کا جو کچھ باقی ہو اسی وقت دے دو"۔ احوص نے کہا "آپ کیا کہہ رہے ہین! میں خدا کی قسم اس سے واقف ہی نہین ہون۔ جانتا بھی نہین کہ کون ہے اور کہان رہتی ہے"۔

یہ سُن کے عورت بولی "اچھا ظالم رہ۔ تُو نے میرے روپیون سے انکار کیا۔ اپنی تحریر سے انکار کیا۔ کیا اب میری صورت سے بھی انکار کر جاے گا؟ مگر مین بھی جھوٹے کو گھر تک پہونچاے نہ رہون گی۔ اور اپنا روپیہ لے کے جاؤن گی"۔ یہ کہتے ہی عورت نے چہرے پر سے نقاب جو اُلٹی تو معلوم ہوا کہ ابر مین سے چودھوین رات کا چاند نکل آیا۔ حاضرین کی آنکھیں چکاچوندھ ہو گئین۔ اور سب بھوچکا رہ گئے۔ اپنا عالم آشوب چہرہ دکھا کے عورت نے کہا "اُب تو پہچانا۔ اب بھی انکار کی جُرأت کرے گا؟" احوص نے کہا "یہ صورت زیبا بھی آج ہی دیکھی ہے"۔ سنتے ہی عورت نے اس طرح غل مچا کے رونا پیٹنا شروع کیا کہ بہت سے راہگیر کھڑے ہو گئے۔ اور سیکڑون آدمیون کا مجمع ہو گیا جن کے سامنے احوص انکار کیے جاتا تھا کہ "مین نے اِس نازنین کو کبھی نہیں دیکھا ہے"۔

عورت نے کہا "اچھا یون ہی سہی۔ تو قرآن اُٹھا لے کہ آج سے پہلے کبھی تو نے میری صورت نہیں دیکھی ہے۔ تیری جان کو صبر کر کے مین اپنا روپیہ چھوڑ دون گی"۔ احوص بولا "مجھے منظور ہے"، اور قرآن ہاتھ میں لے کے کہہ دیا کہ "مین نے کبھی اس عورت کی صورت نہیں دیکھی ہے"۔ احوص نے حلف اُٹھائی ہی تھی کہ عورت نے نہایت ہی جوش وطیش کے ساتھ بڑھ کے احوص کے منہ پر تھوک دیا۔ اور ساتھ ہی اپنے ماہ وش چہرے کو

نقاب میں چھپاکے بولی "لوگو۔ تم سب کے سامنے یہ حلف اُٹھا چکا ہے کہ اس نے آج سے پہلے کبھی مجھے نہیں دیکھا تھا۔ سنو میں اُم جعفر بنت عبداللہ ہوں! جس کے عشق کا یہ دم بھرتا ہے۔ اور اپنے اشعار کے ذریعہ سے کہتا پھرتا ہے کہ میں اس سے فلاں مقام پر ملی۔ اور اس اس طرح اس سے ملنے کے وعدے کیے! یہ سچ ہے کہ اس نے مجھ سے کوئی بھیڑ یا بکری نہیں خریدی۔ اور نہ اس کے ذمے میرا کچھ باقی ہے مگر اس کے انکار اور حلف اُٹھانے سے آپ سب کو معلوم ہوگیا کہ یہ کتنا بڑا بیحیا اور جھوٹا ہے۔ شریف زادیوں کو مفت بدنام کرتا ہے۔ اور اپنے کذب و افترا پر نادم ہونے کے عوض اور زیادہ اکڑتا اور فخر کرتا ہے۔ بھائی ایمن کے ہاتھ سے سزا پانے پر بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آیا۔ مگر میں نے آج سزا ایسی دی ہے کہ غیرت دار ہے تو پھر کبھی میرا نام زبان پر نہ لائے گا۔ اور آپ سب صاحبوں کو چاہیے کہ ایسے بدمعاش اور جھوٹے کو ایک گھڑی بھر کے لیے بھی اپنے پاس نہ بیٹھنے دیں" یہ کہہ کے ام جعفر سب لوگوں کو اس حال میں چھوڑ کے چلی گئی کہ ہر شخص دم بخود تھا کسی کی زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکلتا تھا۔ اور احوص کی یہ حالت تھی کہ سر جو جھکایا تو کسی طرح اُوپر اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ اور کسی سے چار آنکھیں کرنے کے قابل نہ تھا۔

غرض اس واقعہ نے احوص کی زبان ہمیشہ کے لیے بند کر دی۔ اُم جعفر کا خوبصورت چہرہ جیسا روشن صاف اور اُجلا تھا ویسا ہی اُس کا دامن عصمت و عفت بھی قیامت تک کے لیے بے داغ اور پاک و صاف ہوگیا۔ اور احوص ابدالآباد تک کے لیے ایسا بدنام اور ذلیل ہوا کہ پھر کبھی کسی پارسا خاتون کی آبرو پر حملہ کرنے کی جرأت نہ ہوسکی۔ اور اس قابل ہی نہیں رہا تھا کہ ایمن کا ایسا شریف جوانمرد عرب اپنی تلوار کو اُس کے خون سے ذلیل و ناپاک کرتا۔



حرقہ بنت نعمان

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں جب سعد بن ابی وقاص نے آل ساسان کے زبردست لشکر کو شکست دے کے دولت عجم کو پامال کر ڈالا اور قادسیہ کی آبادی میں داخل ہوئے تو حرقہ بنت نعمان بن منذر اُن سے ملنے اور اُن کے آگے سر نیاز جھکانے کے لیے حاضر ہوئی۔

ہم اپنے ناظرین کو مکرر و سہ کرر بتا چکے ہیں کہ نعمان بن منذر کا خاندان حیرہ اور مغربی عراق کے عربی صوبے پر حاکم و متصرف تھا۔ دولت ساسانی پر اس خاندان کے پرانے حقوق تھے جن کے لحاظ سے خسروان فارس تاجداران حیرہ کی حال پر نہایت ہی مہربان تھے۔ اور انھیں پورے پورے شاہی اقتدارات دے رکھے تھے۔ یہ شاہزادی اُسی خاندان کے پچھلے تاجدار نعمان بن منذر کی بیٹی تھی۔

یہ شاہزادی اپنی دو سہیلیوں کے ساتھ سعد بن ابی وقاص کے سامنے آ کے کھڑی ہو گئی۔ چونکہ تینوں کا لباس اُن کی وضعیں صورتیں عمریں اور چال ڈھال ایک ہی قطع کی تھی سعد نے نہیں پہچانا اور پوچھا "تم میں سے کون نعمان کی بیٹی ہے؟" حرقہ نے آگے بڑھ کے کہا "میں ہوں"۔ سعد نے تعجب کے لہجہ میں کہا "تم ہی نعمان کی بیٹی ہو؟" جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ سعد اُس کی معمولی حالت اور اُس کے خود ہی حاضر ہو جانے پر متعجب ہوئے۔ بولی "جی ہاں میں ہی ہوں۔ دنیا کسی حالت پر برقرار نہیں یعنی جلد جلد پلٹتی رہتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ اپنے فرزندوں کی حالت بھی بدلتی جاتی ہے۔ کبھی وہ کسی حال میں ہوتے ہیں اور کبھی کسی حال میں۔ ہم اِس شہر کے مالک اور بادشاہ تھے۔ ہم ہی فرماں روا تھے۔ اور ہمارے ہی خزانے میں یہاں کے محاصل جمع ہوا کرتے تھے لیکن اب ہماری حالت بگڑ گئی۔ زمانہ دشمنی پر آمادہ ہو گیا عصائے سلطنت جو ہمارے ہاتھ میں تھا ٹوٹ گیا۔

اور ہماری جماعت منتشر ہوگئی۔ مگر زمانے کا یہی رنگ ہے جو شریفوں کو بگاڑتا۔ اور صاحبان عزت کو پیٹتا ہے"

اُس سے یہ الفاظ سُن کے سعدؓ کے دل پر بڑا اثر ہوا فرمایا "اچھا کچھ اپنی گذشتہ حالت سناؤ" بولی "مختصر کہوں یا تفصیل سے بیان کروں؟" فرمایا "مختصر کہو" کہنے لگی "سنیے۔ یا تو کل ہماری یہ حالت تھی کہ اہل عرب میں سے کوئی متنفس نہ تھا جو ہمارے دربار میں باریاب ہونے کا آرزومند نہ ہوا اور ہمارے نام سے کانپتا نہ ہو۔ یا آج ہماری یہ حالت ہے کہ عربوں میں سے کوئی نہیں ہے جس کے دربار میں پہونچنے کی ہمیں تمنا نہ ہو اور جس کے نام سے ہم ڈرتے اور کانپتے نہ ہوں" یہ کہہ کے اُس نے یہ دو شعر پڑھے۔

فبینا نسوس الناس والامر امرنا اذا نحن فیھم سوقۃ تتنصف

(اس حالت میں کہ لوگوں پر ہم سرداری کر رہے تھے اور ہمارا ہی حکم تھا یکایک کیا دیکھتے ہیں کہ ہم بازاری لوگ ہیں اور دوسروں کے سامنے فریاد کر رہے ہیں)

فاُف لدُنیا لا یدوم نعیمھا تقلب تارات بنا وتصرف

(لہذا افسوس ہے دُنیا کی حالت پر جس کی نعمتیں باقی نہیں رہتیں۔ کبھی وہ ہمارے موافق ہوتی ہے اور کبھی پلٹ جاتی ہے)

سعد بن ابی وقاص کو اسکی باتیں اچھی معلوم ہوئیں۔ اُس کی بہت تعظیم و تکریم کی اور جب وہ واپس جانے لگی تو فرمایا "اگر تمھارا کوئی کام ہو یا کسی چیز کی ضرورت ہو تو بیان کرو" بولی "مجھے کوئی اُجاڑ اور بیچراغ بستی عنایت فرمایئے تاکہ اُسے آباد کروں اور فائدہ اُٹھاؤں" سعد نے فوراً اپنے عاملوں کو حکم دیا کہ کوئی ایسا موضع ڈھونڈو کہ جو اُجاڑ ہوگیا ہو۔ مگر باوجود جستجو کے کوئی ایسا موضع نہ ملا۔ تب سعد نے حرقہ کو بلوا کے فرمایا "کوئی غیر آباد بستی تو نہیں ملتی۔ آپ کوئی آباد گاؤں قبول کیجیے"

یہ سنتے ہی ستم زدہ شاہزادی نے کہا "الحمد للہ کہ خدا نے میرے آبا و اجداد کو عدالت گستری کی توفیق دی۔ اُنھوں نے اپنے انصاف سے دنیا کو آباد کیا۔ اور ویسا ہی آباد دوسروں کے حوالے کر گئے لہٰذا اے امیر آپ بھی کوشش کیجیے کہ جب دوسروں کے حوالے کرنا پڑے تو اُسے ایسا ہی آباد اور بارونق دیں جیسا کہ آپ نے پایا ہے اِس طرز عمل سے آپ خدا کی رحمت کے مستحق ہوں گے اور خلقت آپ کی ثناخوان ہوگی خبردار ایسا نہ ہو کہ آپ کے ہاتھوں سے یہ آبادی اُجڑ جائے اور آپ آتش دوزخ کے سزاوار ہوں رہی میں۔ تو میں تو آج کے دن سے نہ مسرت کی تمنا رکھتی ہوں اور نہ دنیا کی نزہت و شادابی کو ان آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں"

یہ کہہ کے اس تارک الدنیا اور قناعت شعار شاہزادی نے سعد کے حق میں ان الفاظ میں دعا کی "اللہ جل شانہ آپ کی کوئی حاجت کسی ذلیل و فرومایہ شخص کے ہاتھ میں نہ ڈالے۔ اور جو اچھے لوگ ہیں اُن کی حاجتیں ہمیشہ آپ کے ہاتھ سے پوری ہوتی رہیں۔ اور جب کبھی خدائے تعالیٰ شریف لوگوں کو بے دولت کرے تو آپ کو ہمیشہ اُن کی حاجت روائی کا ذریعہ بنائے"۔ یہ کہہ کے شاہزادی تو چلی گئی مگر سعد بن ابی وقاص کو اُس کے یہ کلمات اِس قدر پسند آئے تھے کہ ابو ثور سے جو پاس بیٹھے ہوئے تھے کہا "اُس کے ان الفاظ کو یاد کر لینا تمھیں امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سامنے دوہرانا ہوں گے"۔ چنانچہ ابو ثور کہتے ہیں جب میں نے مدینہ طیبہ میں حاضر ہو کے یہ واقعہ اُن کی خدمت میں عرض کیا تو اُنھوں نے متاثر ہو کے فرمایا "سچ کہتی ہے دُنیا میں کوئی قوم نہیں ہے جسے زمانہ ایک مدت تک عیش و راحت کا موقع نہ دیتا ہو۔"

ستّ الملک ملکہ مصر

مصر میں جب خلفائے باطنین ائمۂ اسمعیلین کے سریر فرمان روائی پر الحاکم بامر اللہ

کا ایسا عجیب و غریب مختلف الاوصاف اور متلون المزاج خلیفہ حکومت کر رہا تھا اُس شر سے دُور کرنے کے لیے خدا نے اِس حسین و نازنین اور سراپا حکمت و فراست ملکہ کو ظاہر کیا۔ جو اگر حریم خلافت سے نکل کے رعایا کی خبر نہ لیتی تو الحاکم نے خدا جانے کیا قیامت بپا کر دی ہوتی۔

ست الملک حاکم بامر اللہ کی بہن اور اُس سے پہلے فاطمی خلیفہ العزیز باللہ نزار کی ناز پروردہ بیٹی تھی۔ حسن و جمال میں ثانی نہ رکھتی تھی۔ اور ہوشیاری۔ دانائی۔ استقلال حکمرانی۔ اور سیاسی قابلیت میں اُس کا کوئی نظیر و مثیل نہ تھا۔ مصر ہی نہیں شاید اُن دنوں ساری دنیا میں کوئی عورت اُس کی سی لیاقت اور مردانہ ہمت نہ رکھتی ہوگی۔

حاکم بامر اللہ کو گیارہ ہی برس کی عمر میں آبائی حکومت مل گئی تھی۔ اور حکومت بھی کون جو صرف دنیوی شہریاری نہیں بلکہ دینی امامت اور حضرت رسالت کی جانشینی بھی تھی۔ تاج و تخت پاتے ہی اُسے نظر آیا کہ ساری دنیا میری تابع فرمان ہے۔ میں دنیا ہی نہیں دین کا بھی بادشاہ ہوں۔ اور دین و دنیا میں جیسے احکام چاہوں جاری کر سکتا ہوں۔ اِس خیال کے آتے ہی پہلے تو اُس نے امامت کو مظہر ذات ربانی یا ہندوؤں کی اصطلاح کے مطابق اوتار قرار دے کے اپنے آپ کو معمولی انسان سے بڑھا کے امام اور امامت سے بھی آگے بڑھا کے خدا بنا لیا۔ چنانچہ اُسی کی یادگار میں آج تک دُروز کا فرقہ شام میں موجود ہے۔ جو لوگ حاکم بامر اللہ کے سوا خدا کو بھی نہیں مانتے۔ ان لوگوں کے عقیدے میں ایمان حاکم بامر اللہ پر ایمان لاتا ہے۔ اور چند خطوط جو حاکم کی امامت کی تبلیغ میں لکھے گئے تھے اُن کا مجموعہ اُن کا قرآن ہے۔ گو وہ مسلمانوں میں شمار کیے جاتے ہیں مگر نہ رسول مقبول صلعم کو مانتے ہیں اور نہ قرآن مجید کو۔ نہ نماز پڑھتے ہیں نہ روزہ رکھتے ہیں اور نہ مسلمانوں کا سا اور کوئی کام کرتے ہیں۔ اُن کے خیال میں نجات کا ذریعہ صرف الحاکم کو مظہر ایزدی مان لینا ہے۔

عنانِ حکومت ہاتھ میں لینے کے بعد حاکم نے جیسے جیسے متخالف و متضاد احکام جاری کرنا شروع کر دیے تاریخ میں یادگار ہیں۔ سنہ ۳۹۵ھ میں حکم قطعی جاری کیا کہ صحابۂ کرام کو علانیہ گالیاں دی جائیں۔ بازاروں شاہراہوں مسجدوں اور تمام عام گزرگاہوں میں تبرّا لکھ لکھ کے دیواروں پر لگا دیا گیا۔ اور یہی حکم تمام والیانِ ملک کو لکھ بھیجا گیا کہ اپنے مفوضہ علاقوں میں جاری کریں۔ ایک زمانے تک یہ حکم جاری رہا تھا کہ دربارِ خلافت سے حکم پہونچا کہ تبرّا کلیۃً موقوف۔ صحابہ کی شان میں جو کوئی شخص بُرا کلمہ کہے یا اُن کا ذکر بُرائی سے کرے اُسے سخت سزا دی جائے۔ اب اُن لوگوں کو جو توہین صحابہ کے عادی کر دیے گئے تھے سزائیں ملنے لگیں سنہ ۳۹۹ھ میں حکم جاری کیا کہ رمضان میں نماز تراویح کلیۃً موقوف۔ جامع عتیق کے امام نے اس حکم کی پروا نہ کی اور مسلمانوں کو جمع کر کے تراویح پڑھی دوسرے ہی دن وہ پکڑ کے قتل کر ڈالا گیا۔ اس کے بعد سنہ ۴۰۸ھ میں حکم جاری ہوا کہ تمام مسجدوں میں تراویح لازمی طور پر پڑھی جایا کرے۔ مسلمانوں سے زیادہ سختیاں یہود و نصاریٰ کو اس مجنون فاطمی خلیفہ کے تلوّن سے برداشت کرنا پڑیں کبھی حکم ہوتا کہ سب مجبور کر کے مسلمان بنائے جائیں۔ کبھی اُن کو ذلیل قسم کا لباس پہننے اور ذلت سے رہنے کی تاکید ہوتی اور کبھی جوش و خروش سے اُن کی استمالت اور طرفداری کی جاتی۔ کبھی اُن کے معبد اور کنیسے کھودے جاتے اور کبھی تعمیر کر دیے جاتے۔ عورتوں کی نسبت حکم ہوا کہ کوئی عورت گھر سے نہ نکلے۔ اور جب شکایت ہوئی کہ جن عورتوں کا کوئی والی وارث نہ ہو وہ کیا کریں۔ تو فرمان جاری ہوا کہ بازار والے ہر قسم کا مال لے لے کے زنانی ڈیوڑھیوں پر جایا کریں اور لینے والی کوئی ایسی چیز اپنے پاس رکھیں جس میں رکھ کے ہر چیز دروازے کے اندر بڑھا دیا کریں تاکہ بغیر صورت دیکھے پٹ کی آڑ سے خرید و فروخت ہو جایا کرے۔

اِن باتوں نے تمام اہلِ مصر کو اس قدر ناراض کر دیا کہ حاکم کے پاس روز گم نام رقعہ

اور خطوط پہونچتے جن میں اُسے گالیاں دی جاتیں۔ اور بُرا بھلا کہا جاتا۔ حاکم کو بجائے اس کے کہ ان باتوں سے متنبہ ہوا اور بگڑتا۔ اور ضد میں آ کے زیادہ ظلم کرتا آخر ایک دن مصر کے بعض منچلے لوگوں نے یہ کارروائی کی کہ کاغذ کی ایک عورت بنا کے حاکم کی گزرگاہ میں ایک جگہ کھڑی کر دی اور اُس کے ہاتھ میں ایک کاغذ دے دیا۔ یہ پُتلا اس قدر مکمل اور ایسی صناعی سے بنایا گیا تھا کہ حاکم اُدھر سے گزرا تو بالکل نہ پہچان سکا اور سمجھا کہ سچ مچ کوئی عورت ہے جو فریاد کرنے کو آئی ہے۔ غلاموں کو بھیج کے اُس کے ہاتھ سے عرضی لے لی۔ دیکھا تو اُس میں صدہا گالیاں لکھی ہوئی تھیں۔ اور اُس کی کسی طرح کی توہین اُٹھا نہیں رکھی گئی تھی۔ لپک کے عورت کو پکڑا تو کاغذ اور بانس کا ڈھانچہ تھا۔

اس کارروائی سے حاکم ایسا برانگیختہ ہوا کہ حکم دیا مصر کی آبادی میں آگ لگا دی جائے۔ اور فوج والے سارے شہر کو لوٹ لیں۔ مردوں کا قتل عام ہو۔ اور عورتیں اور لڑکے پکڑ پکڑ کے لونڈی غلام بنا لیے جائیں۔ فوراً اس نادری حکم کی تعمیل شروع ہو گئی۔ اور شہر تباہ ہونے لگا۔ مکانوں پر شعلے بلند تھے شرفا و امرا بلا استثنا قتل ہو رہے تھے۔ اور معززین و شرفا کی عورتیں اور بچے کھینچ کھینچ کے گھروں سے نکالے اور لونڈی غلام بنائے جاتے تھے۔ جب مسلسل دو دن تک قتل و غارت کا بازار گرم رہا تو لوگوں نے عفو تقصیر کے لیے التجا کی۔ مگر نہ سُنی گئی۔ آخر رعایا نے مجبور ہو کے بہت سے ترکوں اور شام و عرب کے لوگوں کو اپنے ساتھ شریک کر لیا اور بغاوت کی دھمکی دی یہ رنگ دیکھ کے حاکم نے ظلم سے ہاتھ روکا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ شرارت کی کہ حکم دیا کہ اُمرا و معززین کی جو عورتیں گرفتار ہوئی ہیں وہ بے عزت کر کے بیچ ڈالی جائیں اور اُن کے بچے بھی فروخت کر ڈالے جائیں۔ یہ ایسے بے رحمی کے شرمناک مظالم تھے کہ مصر کا ہر شخص حاکم کا دشمن اور اُس کے خون کا پیاسا ہو گیا۔

ست الملک بھائی کی ان حرکتوں پر دل ہی دل میں کڑھتی اُسے سمجھاتی اور حتی الامکان لوگوں کو اُس طرف سے صاف کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر حاکم بجائے اسکے کہ اُس کا شکرگزار رہو اور اُس کے عاقلانہ مشوروں پر عمل کرے اُلٹے اُس سے ناراض ہوگیا۔ یہاں تک کہ آخرکار اُسے وہم ہوا کہ ست الملک میرے خلاف امرائے قہر سے سازش کرتی اور انھیں میری مخالفت پر اُبھارتی ہے۔

ست الملک سے پہلے حاکم بامر اللہ کو بڑی محبت تھی۔ اور چونکہ اُس کی دانائی اور عقلمندی کا قائل تھا اس لیے ہر ملکی معاملے اور اپنے ہر حکم کے جاری کرنے میں اُس سے ضرور مشورہ کرلیا کرتا۔ یہ ست الملک کی خوش نصیبی یا نیک نفسی تھی کہ جو امر اُس کے مشورہ سے کیا جاتا اُس میں ہمیشہ کامیابی ہوتی اور رعایا خوش رہتی۔ اصل حقیقت یہ تھی کہ ست الملک اُس کے مجنونانہ احکام سے ہمیشہ اُسے روکا کرتی۔ لیکن جب اُس نے ست الملک کی رائے کے خلاف کارروائیاں شروع کیں اور لوگ برہم ہونے لگے تو اُسے اپنی بے وقوفی سے اس امر پر تعجب ہونے لگا کہ جو کام میں اپنی تجویز سے کرتا ہوں اُس سے لوگ ناراض ہوتے ہیں اور جس کام کو ست الملک سے پوچھ کے کرتا ہوں اُس کی کوئی شکایت نہیں کرتا۔ آخر اس تعجب و حیرت نے اُسے بہن سے بدگمان کر دیا اور جوش میں آ کے زیادہ خود رائی کرنے لگا۔ نتیجہ یہ کہ رعایا بھی زیادہ برہم ہونے لگی جسے اُس نے بہن کی سازش پر محمول کیا۔ آخر بے اختیار کھل کھیلا اور ست الملک کو لکھ بھیجا "تم لوگوں سے سازشیں کرتی ہو اور تمھارا چال چلن نہیں اچھا ہے۔ اکثر نامحرم مرد تمھارے محل میں آیا جایا کرتے ہیں اس بدکاری سے باز آؤ ورنہ قتل کر ڈالوں گا" اس پاکدامن شاہزادی کی عفت و حرمت پر ابھی تک کسی نے حملہ نہیں کیا تھا سُنتے ہی آپے سے باہر ہوگئی۔ اور اس فکر میں ہوئی کہ ایسے ظالم اور بے شرم و بےحیا بھائی سے اب جس طرح بنے پیچھا چھڑانا چاہیے۔

اب جو جو زمانہ گزرتا تھا بہن بھائی کے تعلقات نازک ہوتے جاتے تھے۔ حاکم
کی بدگمانیاں جو بڑھیں تو اُس نے سمجھ لیا کہ یہ بقچے گالیوں کے خطوط میرے پاس
آ رہے ہیں اور اُس کاغذ کی بنی ہوئی عورت کے ہاتھ سے گالیوں کا جو خط مجھے ملا
تھا سب اسی ست الملک کی کارروائیاں ہیں۔ آخر ست الملک نے حاکم کو حد سے
گزرتے دیکھ کے دل میں کہا "اچھا ٹھہر جاؤ۔ اب تک تو میں نے تمہارے خلاف
کوئی سازش نہیں کی تھی مگر اب کرتی ہوں۔" اُن دنوں قاہرہ میں ابن داؤس نام ایک
معزز شخص تھا جو ایک حصہ فوج کا افسر اعلیٰ تھا اور حاکم کو اُس پر بھی طرح طرح کی بدگمانیاں
تھیں۔ ست الملک نے اسی ابن داؤس کے پاس کہلا بھیجا کہ "میں تم سے تنہائی میں
ملنا چاہتی ہوں۔" اُس نے عرض کرایا کہ "حضور کی قدم بوسی میرے لیے مایۂ ناز ہوگی۔" اس
جواب سے اُسے اپنے موافق خیال کر کے ست الملک نے برقع پہن لیا۔ سب لوگوں کی آنکھ
بچا کے اُس کے گھر پہونچی اور کہا "تم جانتے ہو کہ تمہاری نسبت بھائی کے کیا خیالات
ہیں؟" اُس نے عرض کیا "جی ہاں جانتا ہوں کہ وہ میرے دشمن اور میری جان لینے
کے درپے ہیں۔" ست الملک نے کہا "اور ایسی ہی دشمنی اُسے میرے ساتھ بھی ہے۔
اور اُس کا مزاج ایسا ہے کہ جس دن دل میں آ گئی پھر کسی بات کا خیال نہ کرے گا
اور بلا تامل ہم دونوں کو قتل کرا ڈالے گا۔" ابن داؤس نے کہا "حضور بجا فرماتی ہیں۔"
اب موقع دیکھ کے ست الملک نے کہنا شروع کیا کہ "اس کمبخت کے ہاتھوں سارے
مسلمانوں پر ظلم ہو رہے ہیں۔ دین الگ خطرے میں ہے۔ عقائد اُس نے بگاڑ ہی
دیے۔ مسلمانوں کی عزت و آبرو بھی اُس نے نہ چھوڑی۔ معزز اور پاکدامن بی بیوں کو اُس
نے بے حرمت کرایا۔ شریفوں کے بچے اس کے ہاتھوں بازار میں بکے۔ اور یہ حالت
ہو رہی ہے کہ اس کے اندیشے سے کوئی شخص گھر میں چین سے نہیں سو سکتا۔ پھر یہ دیکھ
کر ملک کا بچہ بچہ اس کی صورت سے بیزار ہو رہا ہے اور ساری رعایا کے دلوں میں بغاوت

کا جوش پیدا ہوتا جاتا ہے۔ اگر سب لوگ بگڑ کھڑے ہوئے اور ہماری اس اسمٰعیلی خلافت سے تاج و تخت کو اُلٹ دیا تو پھر نہ میں بچوں گی اور نہ تم بچوگے۔ اور مصر میں قیامت کبریٰ بپا ہو جائے گی"۔ ابن داؤس نے ست الملک کی یہ پُر اثر تقریر سُن کے کہا۔ "آپ جو فرمائیں مجھے اُس کی تعمیل میں عذر نہ ہوگا"۔ ست الملک بولی "میرے نزدیک تو مناسب یہ ہے کہ قبل اس سے کہ الحاکم کے دست ستم سے ہماری امامت کو صدمہ پہونچے ہم اُسی کی زندگی کا چراغ گل کر دیں"۔ ابن داؤس نے کہا "مجھے اس میں کوئی عذر نہیں۔ لہٰذا آپ اس کی جو تدبیر بتائیں کی جائے۔ ست الملک نے کہا "کل میرا بھائی الحاکم حسب معمول شہر سے نکل کے کوہستان کی طرف جائے گا۔ اور عادت کے مطابق اُس کے ہمراہ کوئی نہ ہوگا۔ تم ایسے دو شخص وہاں مقرر کر دو جو وہیں اُس کا کام تمام کر دیں۔ اور پھر اُسے گھر آنا نہ نصیب ہو۔

ابن داؤس نے اس کا وعدہ کیا جس سے خوب مطمئن ہو کے ست الملک نے وعدہ کیا کہ اگر یہ کارروائی خوبی کے ساتھ انجام پا گئی تو میں تمھاری موجودہ جاگیر میں ایک لاکھ دینار سالانہ کی جاگیر اور بڑھا دوں گی۔ اور سلطنت کا سارا نظم و نسق تمھارے ہی ہاتھ میں ہوگا۔ کیونکہ تمھارے سوا اور کوئی وزیر اعظم اور مدار المہام سلطنت نہیں ہو سکتا۔ ان وعدوں نے ابن داؤس کو اُس کے ارادے میں اور مضبوط کر دیا۔ جس کے بعد ست الملک اپنی محلسرا میں واپس گئی۔

الحاکم مقررہ اوقات میں تن تنہا پہاڑوں پر جایا کرتا تھا۔ چونکہ امامت اور مظہر ایزدی ہونے کا مدعی تھا اس لیے اُس کی غیبت میں وہی شان ہوا کرتی جو حضرت موسیٰ کے کوہ طور پر جانے اور خدا کے احکام لانے کی تھی۔ اسی معمول کے مطابق ست الملک اور ابن داؤس کی سازش کے دوسرے دن ۲۷ شوال ۴۱۱ھ کو وہ محل سے نکل کے پہاڑوں پر گیا۔ پہاڑ کے قریب پہونچ کے ساتھ والوں کو وہیں چھوڑا

اور ایک نوعمر لڑکے کو ساتھ لیے ہوئے گھاٹیوں مین گھسا۔ ناگہان کوہستان کے سناٹے مین دو مسلح آدمی نمودار ہوئے جنھون نے سامنے آتے ہی حملہ کر کے اُسے اور اُس کے ہمراہی لڑکے کو مار ڈالا۔ اور دونون کی لاشین غائب کر دین۔ اس مین شک نہین کہ اِن دونون سپاہیون کو ابن داؤس نے ست الملک کی خواہش کے مطابق یہان بٹھا اور اُس کے قتل پر مامور کیا تھا۔ الحاکم کے واپس آنے مین جب حد سے زیادہ دیر ہوئی تو اُس کے خیر خواہون اور سردارون نے تلاش کرنا شروع کیا۔ پہاڑون کے تمام پہلو اور ساری گھاٹیان ڈھونڈھ ڈالین مگر کہیں سراغ نہ لگا۔ ایک مقام پر حاکم کا گھوڑا اور اُس سے آگے بڑھ کے اُس کے کپڑے مل گئے۔ مگر اُن مین بھی خون کا کوئی دھبہ نہ تھا۔ لاشین کہین نہ ملین۔

آخر سب تھک کے اور عاجز آ کے قاہرہ مین واپس آئے اور ست الملک کی ڈیوڑھی پر جا کے عرض کرایا کہ "امیر المومنین غائب ہین۔ ہم نے سارا کوہستان چھان مارا کہین پتہ نہین اب آپ کیا حکم فرماتی ہین؟" ست الملک نے اُن کے پاس کہلا بھیجا کہ "میرے پاس اُن کی تحریر آئی ہے جس مین وہ فرماتے ہین کہ مین پرسون واپس آؤن گا" اُمرا و ارکان دولت اِس جواب سے مطمئن ہو کے اپنے گھرون کو گئے۔ اور ست الملک نے خزانے پر قبضہ کر کے بہت سا روپیہ ابن داؤس کے پاس بھیجا کہ سرداران فوج مین تقسیم کر دے۔ اِس طریقہ سے مسلسل سات دن تک وہ لوگون سے الحاکم کے ظہور کا وعدہ کرتی رہی۔ اب ساتوین دن ظہور حاکم کا انتظار تھا۔ ساری فوج قصر خلافت کے دروازے پر صفیں باندھے کھڑی تھی کہ امام زمانہ امیر المومنین الحاکم کے دیدار سے بہرہ یاب ہون ست الملک نے الحاکم کے بیٹے ابو الحسن علی کو جو ابھی ایک سولہ سال کا خوبرو لڑکا تھا لباس شاہانہ پہنا کے باہر نکالا۔ وزیر سلطنت اُس کے آگے آگے تھا جس نے تمام حاضرین دربار اور اہل فوج کی طرف خطاب کر کے کہا "اے غلامان دولت!

ہماری ملکہ ست الملک فرماتی ہیں کہ اب تمہارے آقا امام اور امیر المومنین یہی ہیں" یہ سنتے ہی ابن داؤس جو سب سے آگے تھا فوراً جھک کے زمین بوس ہوا۔ اور ساتھ ہی وہ تمام امرا و سرداران فوج جنہیں ابن داؤس کی معرفت روپیہ دیا گیا تھا زمین بوس ہو ہو کے آداب بجا لانے لگے۔ جب معززین کا ایک بڑا گروہ بے عذر زمین بوس ہو چکا تو باقی لوگوں نے بھی اُن کی پیروی کی اور کوئی نہ تھا جس نے ذرا بھی تامل کیا ہو۔ اب خوبرو شاہزادۂ علی نے شاہی گھوڑے پر سوار ہو کے شہر کا ایک چکر لگایا اور کل امرائے دولت ہمراہ رکاب اور اس کی جلو میں ساتھ تھے ظہر کے وقت وہ قصر خلافت میں واپس آ کے گھوڑے سے اُترا اور کل اہل دربار کو دوسرے دن حاضر ہونے کا حکم دیا۔

دوسرے دن علی الصباح تمام عمائد شہر اور جملہ اہل سیف و قلم در دولت پر حاضر ہوئے تو وہی شاہزادہ ابوالحسن علی پھر برآمد ہوا۔ آج کے دربار میں ست الملک نے اُسے "الظاہر لاعزاز دین اللہ" کے لقب سے ملقب کر کے سریر خلافت پر بٹھایا اور سب نے بلا عذر اُس کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ الغرض بغیر اس کے کہ کسی قسم کا فساد اور جھگڑا ہو الظاہر کی تخت نشینی کا معاملہ خوش اسلوبی سے طے ہو گیا۔ ساتھ ہی ست الملک نے ایک فرمان روا کے ذریعے سے الظاہر کی خلافت کا اعلان کیا اور اطراف و جوانب میں تمام والیان ملک اور سرداران بلاد کے نام اُس فرمان کی نقلیں اس حکم کے ساتھ بھیجیں کہ کل رعایا سے الظاہر کی بیعت لیں۔

اس کے بعد ست الملک نے ایک بڑا بھاری دربار کیا جس میں تمام معززین کو اُن کے درجوں اور رتبوں کے مطابق بٹھایا۔ سب کو خلعت و انعام سے سرفراز کیا۔ عزت افزائیاں کیں۔ پھر انتظام مملکت کے متعلق نہایت ہی عمدہ احکام جاری کیے اور کل امور کا ذمہ دار اور افسر اعلیٰ ابن داؤس کو قرار دیا۔ اور کمال مہربانی سے ساتھ اُس سے کہا "ہم سارا نظم و نسق تمہارے ہاتھ میں دیتے ہیں۔ مگر کوئی

دن مقرر کرو جس روز تم کو خلعت وزارت کے ساتھ ایک لاکھ سالانہ کی زاید جاگیر عطا کی جائے۔" یہ سنتے ہی ابن داؤس گر کے زمین بوس ہوا۔ اور ہاتھ جوڑ کے عرض کیا "حضور جس روز حکم دیں غلام حاضر ہو" ست الملک بولی "اچھا میں خود ہی کوئی دن مقرر کر کے تمہیں بلوا لوں گی" اب سارے قاہرہ میں مشہور ہو گیا کہ وزارت اور جملہ اختیارات ابن داؤس کو ملنے والے ہیں۔

دو ہی چار روز بعد ست الملک کا چوبدار ابن داؤس کی طلبی میں اُس کے دروازے پر پہونچا اور وہ خوش خوش قصر خلافت میں حاضر ہوا۔ پہونچتے ہی ایک اندرونی کمرے میں بلوا لیا گیا۔ جہاں تمام سرداران فوج بھی دست بستہ کھڑے تھے۔ اب قصر کے تمام دروازے بند کرا کے مقفل کر دیے گئے۔ اور ایکا ایک ست الملک کا ایک خاص ملازم شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے ہوئے نمودار ہوا۔ جس نے آتے ہی ابن داؤس کی طرف مخاطب ہو کے نہایت ہی برافروختگی سے ساتھ کہا "تو ہی ہمارے امام الحاکم کا قاتل ہے"، اور یہ کہہ کے ایک ہی وار میں اُس کا کام تمام کر دیا۔ یہ تدبیر کچھ ایسی خوبی سے ساتھ بن پڑی کہ کسی کو بھی مخالفت کی جرأت نہ ہوئی۔ اور سب ابن داؤس کے قتل کو خاموشی سے دیکھ کے رہ گئے۔

اگرچہ ابن داؤس کے ساتھ نہایت ہی بے رحمی اور سخت بدعہدی کی گئی مگر ست الملک کے دل سے بغیر اُس کے قتل کے اس کانٹے کی کھٹک نکل ہی نہ سکتی تھی کہ جس شخص نے لالچ و خود غرضی کے جوش میں اپنے ایک امام اور آقا کو بے وفائی کے ساتھ قتل کر ڈالا ممکن ہے کہ وہ ایسی ہی کسی سازش سے متاثر ہو کے دوسرے کو بھی قتل کر ڈالے۔ بہر تقدیر اس طریقہ سے ابن داؤس کو قتل کرا کے ست الملک نے نابالغ خلیفہ کے نام سے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ اور نہایت ہی مستعدی و بیدار مغزی کے ساتھ فرماں روائی کرنے لگی۔ رعایا اُس سے پہلے ہی

خوش تھی۔ اور اُس کی طرفداری میں لوگ الحاکم کے دشمن ہو رہے تھے۔ اب جو اُس نے عدالت گستری اور رعایا نوازی کے جوہر دکھانا شروع کیے تو ہر ادنیٰ و اعلیٰ اُس کا کلمہ پڑھنے اور اس کا دم بھرنے لگا۔ وہ مظلوموں کی فریادرسی کرتی بمقدمات کا بلا رُو رعایت فیصلہ کرتی۔ اور اُس کے ساتھ ہی خوش تدبیری سے اپنا ایسا رعب بٹھا لیا تھا کہ تمام سرکش اور فتنہ انگیز لوگ اُس کے نام سے کانپتے تھے۔ مجال نہ تھی کہ ایک لمحہ کے لیے بھی اُس کے حکم کی تعمیل میں کوئی تساہل کرے۔

الظاہر کی عمر سترہ سال کی تھی۔ عنفوان شباب کا زمانہ تھا۔ اور دل پُرجوش کے جذبات سے بھرا ہوا تھا مگر اُس نے کبھی کسی امر میں پھوپھی کے احکام سے سرتابی نہیں کی وہ ہر امر میں پھوپھی کے حکموں پر چلتا۔ اور جانتا تھا کہ میری اور سارے ملک کی سلامتی اسی میں ہے کہ ست الملک کے انتظامات اور احکام میں دخل نہ دیا جائے۔ مگر افسوس اُسے ست الملک کی خوش تدبیری اور بلند پایہ قابلیت سے فائدہ اٹھانے کا زیادہ موقع نہیں ملا اس لیے کہ اس کی تخت نشینی کو چار ہی سال ہوئے تھے کہ ۴۱۵ھ میں ست الملک نے سفر آخرت کیا اور الظاہر کو نظر آیا کہ میں اپنے باپ الحاکم کے مرنے پر یتیم نہیں ہوا تھا بلکہ اب یتیم ہوا ہوں۔ دراصل ست الملک کے مرنے کی تاریخ تمام اہل مصر کے لیے بڑے رنج و الم کا دن تھی۔ جبکہ بادشاہ اور خلیفہ ہی کو نہیں بلکہ رعایا میں سے ہر ایک کو یہی نظر آتا تھا کہ ہم آج یتیم ہو گئے ۔

خولہ بنت الاذور

جب مسلمانوں کا لشکر اسلام کا جھنڈا بلند کرتا ہوا دمشق کے قریب پہنچا تو قیصر

ہرقل شام کی دارالخلافہ انطاکیہ میں تھا۔ خالد جیسے بہادر کو معمولی لٹیرا خیال کیا اور پانچہزار فوج کیلوس کی ماتحتی میں مقابلہ پر روانہ کی ضرار اسوقت خالد کے ساتھ تھے لڑائی ہوئی اور ضرار کی بہادری دیکھکر دشمن دنگ رہ گئے کیلوس مارا گیا۔ اور مسلمانوں نے دمشق کے باہر ڈیرے ڈالدیئے۔

قیصر کو یہ خبر پہونچی تو آگ بگولا ہوگیا۔ ایک لاکھ تجربہ کار سپاہی جو لڑائی میں جانا کھیل اور وطن کی محبت میں جان دینا فخر سمجھتے تھے مسلمانوں کے مقابلے کے واسطے تیار ہوئے۔ اور وردان کی سپہ سالاری میں دمشق چلے مسلمانوں کے خون کی پیاسی تلواریں میانوں سے نکلی پڑتی تھیں۔ دانہ پانی حرام تھا رات دن ایک کرکے مہینوں کی منزلیں دنوں میں طے کیں اور وہ میدان جسکو مسلمان مفتوحہ سمجھے بیٹھے تھے غنیم کے نعروں سے گونج اٹھا۔ دشمن کی جمعیت دیکھکر مسلمان ششدر رہ گئے۔ خالد نے اپنے لشکر کو جسکی کُل کائنات چالیس ہزار تھی جمع کیا اور اپنے بھائی ضرار سے کہا کہ بہادری دکھانے کا وقت یہی ہے ہمت نہ ہارو اور خدا کا نام لیکر دشمن پر ٹوٹ پڑو۔ گو لشکر کم ہے مگر خدا کا وعدہ ہمارے ساتھ ہے۔

خالد کا اتنا کہنا تھا کہ ضرار شیر کی طرح دہاڑتا ہوا میدان میں آیا اور غنیم کو للکارا۔ بڑا زبردست معرکہ تھا۔ تھوڑی دیر میں سرزمین دمشق پر خون کی ندیاں بہنے لگیں ضرار مجروح ہوکر گرفتار ہوئے اور مسلمانوں کی رہی سہی ہمت اور بھی ٹوٹ گئی۔ رفیع ابن عمیرہ نے جو ضرار کے ساتھ تھے یہ رنگ دیکھکر باآواز بلند کہا مسلمانو تم ضرار کے واسطے نہیں لڑ رہے تھے جو بیدل ہوتے ہو۔ تم جس کے لیئے لڑ رہے ہو وہ تم میں موجود ہے اور تمھارے کام دیکھ رہا ہے وہ زندہ ہے اور ہمیشہ زندہ رہے گا۔

رفیع کی اس گفتگو نے بجھے دلوں میں پھر شعلہ بھڑکایا اور مسلمان اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ہوئے دشمن پر ٹوٹے۔ غنیم نے نہایت جرأت سے اس حملہ کو روکا۔ قریب تھا

کہ مسلمانوں کا یہ دستہ بالکل برباد ہو جائے کہ شام سر پر آپہونچی اور رات کا تاریک پردہ دونوں کے بیچ میں پڑ گیا۔

ضرار کی گرفتاری کی خبر سنتے ہی خالد کی آنکھوں میں دنیا اندھیر تھی۔ صبح ہوتے ہی بہادر دشمن کے گروہ میں گھس گیا۔ اور چاروں طرف لاشوں کے ڈھیر لگا دیئے ہر طرف ڈھونڈھا مگر ضرار کا پتہ کہیں نہ چلا خبردار نے خبر دی کہ ضرار حمص کو بھیجدیئے گئے رفیع ابن عمیرہ ادھر روانہ ہوئے اور رستہ میں اس فوج سے مٹ بھیڑ ہوئی جو ضرار کو قید کئے لیئے جارہے تھے مسلمانوں نے اپنے افسر کے لیئے جانیں اڑادیں گھمسان کا معرکہ ہوا۔ اور آخر بہادر ضرار کو دشمن کے پنجہ سے چھینا اور دمشق لوٹے۔

ابھی ضرار کو لیکر رفیع کا دستہ واپس نہ آیا تھا کہ خالد نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر التجا کی کہ اے معبود حقیقی اسوقت بیس ہزار فوج کا مقابلہ ایک لاکھ سے ہے ہماری مدد کر اور ہماری شرم رکھ۔ یہ کہنا تھا اور بسم اللہ کہکر بیس ہزار فوج چاروں طرف سے دشمن پر گری اور آفتاب کے سر پر آنے سے پہلے دمشق میں مسلمانوں کا جھنڈا لہرا رہا تھا۔

دمشق والے بھاگ تو گئے مگر تاک میں تھے کہ کوئی موقعہ لگے تو مسلمانوں سے بدلہ لیں اتفاق یہ ہوا کہ مسلمانوں کا لشکر تو فتح کے نعرے لگاتا ہوا آگے بڑھا عورتیں اور اسباب پیچھے رہ گیا۔ اس سے اچھا موقعہ کیا ہو سکتا تھا پطیر سولہ ہزار فوج لیکر ان عورتوں پر آپڑا۔ مال اسباب لوٹ لیا عورتوں کو قید کیا اور درختوں کے سایہ میں تقسیم شروع ہوئی خولہ ضرار کی بہن اور بہت سا مال پطیر کے حصہ میں آیا۔

خولہ بنت الازور علم وفضل کے اعتبار سے اسوقت کی ممتاز عورتوں میں تھی سیرت صورت۔ شجاعت۔ عصمت۔ غرض قدرت نے تمام خوبیاں اس خاتون میں کوٹ کوٹ کے بھری تھیں۔ تاریخ اسلام اس بی بی پر ناز کر رہی ہے اس کی

فصاحت کا تمام عرب میں شہرہ تھا۔ تقدیر کی گردش تھی کہ مسلمانوں کی ایسی قابل فخر خاتون دشمنوں کے قبضہ میں پونچکر پٹیر کے حصہ میں آئی۔

خولہ کو جسوقت یہ خبر ملی کہ مال و اسباب کے ہماری بھی تقسیم ہوئی اور پٹیر کے حصہ میں میں آئی تو غصہ کی آگ بھڑک اُٹھی۔ ساتھ کی گرفتار عورتوں سے کہا۔

ہم عرب کے بہادروں کی بہو بیٹیاں۔ پیغمبر اسلام صلعم کی امت گو اپنے وارثوں سے چھوٹ گئیں اور اسوقت ہمارے پاس کوئی مدد موجود نہیں مگر اس سے پہلے کہ ہم اپنے وارثوں کی امانتوں اور اپنے باپ دادا کی عزت کا خاتمہ کریں۔ بہتر ہے کہ زمین پھٹ جائے اور ہم سما جائیں۔ اے حمیاز اور حمضر کی عورتوں اُٹھو اپنی عصمت پر قربان ہوجاؤ اور ان دشمنوں کو دکھا دو کہ عرب کی عورتیں عزت کے مقابلہ میں جان کی پروا نہیں کرتیں۔ اگر ان ظالموں میں سے کوئی ٹیڑھی آنکھ سے بھی دیکھے تو اوسکی آنکھیں نکال لو۔

عصمت و عفت کی دیویوں ہمنے اُن ماؤں کا دودھ پیا ہے جو اپنی عزتوں پر مٹ گئیں۔ تمہارے جسم میں ان بہادروں کا خون دوڑ رہا ہے جن کے سر تن سے اُڑ گئے۔ مگر قدم پیچھے نہ سرکے تم اُن دلاوروں کی اولاد ہو جنکا ایک ایک ہزار پر بھاری نکلا۔ زمانہ سینکڑوں ہزاروں برس آگے نکل جائے گا۔ مگر تاریخ ان کے نام چمکائے گی۔ مسلمان ان کے کارناموں پر فخر کریں گے۔

اے بہادر بیبیو کیا ہم اس روز کے لیے زندہ رہے تھے کہ جس دن دمشق میں اسلام کا جھنڈا گڑے اُس دن دشمن ہماری تقسیم کریں۔ آؤ سب گلے مل لیں۔ اگر زندہ رہے تو عزت کو ہاتھ سے نہ دینگے اور مر گئے تو قیامت میں عزت کے ساتھ ملیں گے۔ گو ہم اس وقت نہتے ہیں مگر نہیں یہ بانس بلیاں اُٹھاؤ۔ اور جو قریب آئے اِس کا مغز پھوڑ دو۔

خولہ کی یہ گفتگو ایک چنگاری تھی جو بارود میں جا پڑی اور یہ تمام عرب زادیاں بانس بلیاں ہاتھوں سے کر دائرہ کی شکل میں کھڑی ہوگئیں۔ ایک یونانی سپاہی کا قریب آنا تھا کہ خولہ نے بسم اللہ کہکر مغز پر ایک ایسا بانس مارا کہ چکرا کر چیختا ہوا گرا۔ غل کی آواز سنکر تمام لشکر خیموں سے باہر نکل پڑا جو قریب آنے کی کوشش کرتا تھا زخمی ہوتا تھا پٹیر نے خولہ کو بہت سے نشیب و فراز دکھائے مگر پٹیر کا لفظ خولہ کے کلیجہ پر تیر لگ رہا تھا۔ مجبور پٹیر نے فوج کو حکم دیا کہ ان سب کو تلوار کی باڑ پر رکھ لو۔ اور گردنیں اُڑا اُڑا کر پھینکدو۔ حکم کی دیر تھی فوج نے تلواریں نکال لیں چاہتے تھے کہ تلواروں سے کام لیں کہ خالد اور ضرار دونوں بہادر سر پر موجود تھے پٹیر یہ حالت دیکھکر سہم گیا۔ اور کہنے لگا عرب کی عورتوں ہم بھی ماں بہنیں رکھتے ہیں اور تمھاری بہادری کی عزت کرتے ہیں خولہ کا غصہ کیا فرو ہونے والا تھا پٹیر کے گھوڑے کی ٹانگ پر ایک بانس اس زور سے مارا کہ گھوڑا اگر پڑا گھوڑے کا گرنا تھا کہ ضرار نے پٹیر کا کام بھالے سے تمام کر دیا۔ اور اسکا سر نیزہ پر اُٹھالیا۔

گو خولہ عصرہ اور انکی جماعت آج دُنیا میں موجود نہیں مگر ان کی شجاعت اور عصمت جب تک تاریخ موجود ہے صفحۂ دنیا سے مٹنے والی نہیں ٭

تمت

مخدّراتِ مشاہیرِ عالم

جدید تصنیف۔ ہندوستان کے مشہور مورخ حضرت مولانا مولوی عبدالحلیم صاحب شرر لکھنوی نے حال میں یہ عجیب و غریب تصنیف فرمائی ہے۔ جس میں چند نامور اور ممتاز خاتونانِ ارض کے مشرح و مفصل حالات زندگی درج ہیں بعض اسلام سے پیشتر کی خاتونیں ہیں اور کچھ اسلام کے بعد کی لکھے ہیں۔ اب زمانہ انہیں کتابوں کے پڑھنے کا ہے۔ حضور سرکار عالیہ بھوپال نے اس کی بھی ۲۰۰ جلدیں خرید فرما کر مشتہر کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

حسب ذیل خواتین کی سوانح عمریاں درج ہیں قیمت مجلد مع محصولڈاک عہ

مسمی رامس ملکہ بابل	ہند بنت نعمان	لیلائے اخیلیہ	شہدہ کاتبہ	زلیخا ملکہ مصر
ملکہ سجاح	ام سلمہ زوجہ سفاح	قطر الندے	بلقیس ملکہ سبا	اولگا ملکہ روس
علیہ بنت مہدی	خدیجہ بنت القیم	ملکہ استیر اسرائیلیہ	کیتھرائن ملکہ روس اول	زبیدہ خاتون
ام ہانی مریم	قلوپطرا۔ کلوپیٹرا	میڈم ڈی اسٹائل	ام الخیر رابعہ بصریہ	فاطمہ فقیہہ
ملکہ زبا۔ عرب میں	اُم ابان	رابعہ شامیہ	فاطمہ نیشاپوریہ	ملکہ زنوبیہ
نوار زوجہ فرزدق	مضفعہ۔ محمہ۔ زبدہ	الطینہ والدہ قسطنطین اعظم	جون آف آرک	ام علی تقیہ

مخدّرات تیموریہ حصہ دوم عہ

جس میں چند نامور و ممتاز خواتین خاندان تیموریہ وغیرہ کے مفصل و مشرح حالات زندگی درج کیے گئے ہیں جس میں چند رانیاں اور زیادہ تر شہزادیاں ہیں۔

۱	رضیہ سلطانہ	۱۲	دلرس بانو بیگم	۲۳	جمیلہ خاتون
۲	بدر النسا بیگم	۱۳	روشن آرا بیگم	۲۴	موتی بیگم
۳	جاناں بیگم	۱۴	روپ متی	۲۵	اشرف النساء بیگم
۴	جانی بیگم	۱۵	رحمت بانو	۲۶	بادشاہ بیگم
۵	رانی جودھ بائی	۱۶	رضیۃ النساء بیگم	۲۷	نواب قدسیہ
۶	حمیدہ بانو بیگم	۱۷	زیب النساء بیگم	۲۸	ثریا بانو بیگم
۷	حاجی بیگم	۱۸	زینت النساء بیگم	۲۹	جہاں آرا بیگم
۸	خانزادہ بیگم	۱۹	زبدۃ النساء بیگم	۳۰	رانی پاربتی
۹	شہزادہ خانم	۲۰	سلطان بیگم	۳۱	رانی تارا بائی
۱۰	دلپذیر بانو بیگم	۲۱	سلیمہ سلطان بیگم	۳۲	تلسی بائی
۱۱	بی بی دو دو	۲۲	سلیمہ بانو بیگم	..	.. ..

مختصر فہرست سیر و تاریخ و ناول قدیم و جدید قابل دید

نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت	نام کتاب	قیمت
الفاروق	ے/	سفرنامہ روم و شام	عہ/۵	عجیب داں دلہن	عہ	مالن کی بیٹی	۸ر
المامون	عہ	کارنامہ ترک	۱۴ر	قیس ولبنیٰ	عہ/۴	جانکی	۱۲ر
الصدیق	۶ر	محاربہ مصر و سوڈان	چہ/۸	فلپانا	عہ	بہشت بریں	۱۲ر
شیخ سنوسی	۴ر	محاربات فرانس	عہ/۴	فتح اندلس	ع	سرچشمۂ الفت	۱۲ر
الہارون	عہ/۸	مراۃ السلاطین	ھا/۸	شوقین ملکہ	عہ/۸	پارک کا پھول	عہ
تاریخ مکہ معظمہ	۴ر	یادگار دہلی	عہ	یوسف نجمہ کابل	ہر/۸	وفا کی دیوی	۱۲ر
تاریخ الخلفاء اردو	للعہ	تاریخ بابل و نینوا	عہ/۴	فسانہ قیس	۳ر	سفید جھوٹ	۱۲ر
تاریخ بنی اسرائیل	۶ر	سکینہ بنت حسین	۶ر	محبوبہ لندن	عہ/۸	جادوگر	عہ
تاریخ مدینہ منورہ	۸ر	حروب صلیبیہ	عہ/۱۰	کیفر کردار	عہ/۴	پان کا نہلا	۸ر
تفریح الاحباب	ع	تاریخ سندھ ہر دو جلد	عا/۱۲	اسلم اور حبیبہ	۱۰ر	ٹھگ بدیا	۱۰ر
حیات اعظم	عہ	اردوئے معلی غالبؒ	عہ/۸	ہیرے کی کنی	۸ر	بنگالی میتا	۱۲ر
سوانح بندہ نواز	۶ر	الجواب الکافی	عہ/۸	ہر دلعزیز	۸ر	محبت کی پتلی	عہ
سوانح بو علی قلندر	۴ر	دولت درانیہ	عہ	ناخواندہ مہمان	عہ/۸	الف لیلہ	عہ
سیرۃ النعمان	چہ/۸	تذکرہ خواتین تیموریہ	ع	مریم	عہ	اتالیق نسواں	۲ر
عجائب القصص	ھا/۴	سوانح عمری نورجہاں	۴ر	فولی حکمت	عہ/۴	آرائش محفل	۵ر
فردوس آسیہ	عہ/۴	سفرنامہ محمد ابن جبیر	ع	نشتر	عہ	باغ و بہار	۴ر
قصص الانبیاء	عہ/۸	تاریخ جنگ سوڈان	سے	ایضاً نسخہ ثانی	عہ	انوار سہیلی	۱۴ر
مجموعہ واقدی	سے	شہنشاہ جرمن کا سفرنامہ	۶ر	فلورا فلورنڈا	عہ/۸	جام سرشار	ع
اقصائے مغرب	عہ/۸	فتوحات بہنسا	عہ/۸	فردوس بریں	عہ	جادۂ تسخیر	عہ/۲
آثار الصنادید	عہ/۱۲	اخبار الاولیا	عہ/۸	مقدس نازنین	عہ/۸	چراغ حسن	۴ر
تاریخ اسپین	چہ/۸	حیات ولی	ع	پارس کا ٹکڑا	۶ر	داستان امیر حمزہ	۱۲ر
ایضاً	۱۲ر	حکایات الصالحین	۵ر	خون دل	۴ر	قصہ ممتاز	عہ
رکن دین	۸ر	بڑی سوانح عمری	۸ر	وتتاسئے دلیر	عہ	طلسم الفت	۸ر
تاریخ دلچسپ	۶ر	تذکرہ صابریہ	۴ر	سپاہی کی دولہن	عہ	فسانۂ عجائب	۷ر
دبدبہ امیری	عہ/۱۲	تحفۂ سبحانی	ھا/۸	یوسف دل آرا	۱۲ر	قصہ ٹھگ	۶ر
تاریخ ابلیس	۴ر	سراج المجالس	عہ/۸	نئی دولہن	۸ر	ایضاً چہارم	۶ر
سفرنامہ مخدوم	۳ر	سیر الاولیاء	سے	ایران کا شہزادہ	۸ر	قصہ حضرت موسیٰ	۲ر

تمام درخواستیں سید ظہور الحسن مالک قومی پریس دہلی کٹرہ نظام الملک آنی چاہئیں